اللہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کیلئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت (یعنی معرفت حاصل) کریں

لا الہ الا اللہ
محمد رسول اللہ

شاہراہِ معرفت

کتابچہ نمبر 7

اکابر بالخصوص مجددین رحمۃ اللہ علیہم کی تعلیمات کے تعارف کیلئے

حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

مسترشد حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ

و خلیفہ مجاز دیگر اکابر رحمۃ اللہ علیہم

ناشر : خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ راولپنڈی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے علوم شریعت، طریقت اور حقیقت (معرفت) سے کتابچوں کا سلسلہ

شاہراہِ معرفت

کتابچہ نمبر 7

(صفر۔ 1443ھ) بمطابق (تبوک۔ 1400 شمسی ہجری)

بمطابق (ستمبر۔ 2022ء)

زیر سرپرستی

حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب مدظلہ العالی

مقصد: اسلاف کی تحقیقات سے اُمّت کو آجکل کی سمجھ میں آنے والی زبان میں روشناس کرنا

مجلس تحقیقات

زین العابدین صاحب مدظلہ

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ

مکان نمبر 1 / CB-1991۔ بلمقابل جامع مسجد سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ گلی نمبر 4۔ نزد آشیانہ چوک۔ اللہ آباد۔ ویسٹرج 3۔ راولپنڈی

فہرست مضامین

	عنوانات	1
1	دیباچہ	2
2	حمد باری تعالیٰ	4
3	نعت رسول اکرم ﷺ	6
4	صفر المظفر	8
5	مطالعہ سیرت بصورت سوال	9
6	بیان جمعۃ المبارک	12
7	تعلیمات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہ	25
7	مقامات قطبیہ ومقالات قدسیہ	40
8	مختصرات سلوک	63
9	خانقاہ کے شب و روز	72

دیباچہ

الحمد للہ شاہرائے معرفت کا ساتواں شمارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے اللہ سے دعا ہے کہ وہ اسے قارئین کے لئے مفید بنائے۔

اس شمارے میں حمد و نعت کے بعد ایک عارفانہ کلام پیش خدمت ہے اللہ تعالیٰ کا ہمارے سلسلے پر خصوصی کرم ہے کہ موقع کی مناسبت سے اکثر ہدایات و اقوال مختلف ذرائع سے سامنے آ جاتے ہیں۔ ماہ صفر کے بارے میں مروجہ توہمات کے بارے میں جمعہ کا بھر پور بیان ہوا جو اس شمارے میں شامل کیا جا رہا ہے۔ نیز مطالعہ سیرت بصورت سوال میں بھی توہمات کے رد میں تحقیقی انداز میں گفتگو کی گئی ہے اور عارفانہ کلام بھی اسی موضوع پر ہے۔ جمعہ کے بیان میں ملک میں سیلاب کی صورت میں آنے والے حالیہ عذاب، اس کی وجوہات اور اس کے تدارک کے بارے میں تفصیل بیان کی گئی ہے۔

عقائد کی اہمیت کے پیش نظر ہم حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ان مکتوبات کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جن میں حضرت نے اپنے منفرد انداز میں عقائد بیان کئے ہیں۔ عقائد کے حوالے سے دو قسم کے مکتوبات ہیں۔ ایک قسم کے مکتوبات میں عام فہم عقائد ہیں جن کا تعلق عوام سے ہے جبکہ دوسری قسم کے مکتوبات میں دقیق عقائد پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس دفعہ نویں عقیدے کا بیان ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ فاعلِ حقیقی صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے باقی سب عدم ہے۔ اس کائنات میں جتنی بھی چیزیں ہیں اپنی صلاحیتوں، اثر پذیری اور ان کے باہم اختلاط سے جو کمالات پیدا ہوتے ہیں وہ سب اسی فاعلِ حقیقی کے پیدا کردہ اور محتاج ہیں۔ اس نے اسباب و وسائل کو اپنے فعل کا روپوش اور اپنی حکمت کو قدرت کے پردے میں چھپا رکھا ہے۔ عقلمند سبب سے مسبب تک پہنچ جاتے ہیں (یہ اللہ کا فضل ہے جسے عطا ہو) جب کہ گمراہ اس کائنات کے پیچ و خم میں سرگرداں ہو کر اپنی راہ گم کر بیٹھتے ہیں۔

شمارہ ہذا میں حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے حضرت عبد الحلیم رحمۃ اللہ علیہ کی

کتاب مقامات قطبیہ و مقالات قدسیہ کا درس نمبر 4 پیش کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے، جس میں عبادت و اطاعت اور معصیت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے حضرت فرماتے ہیں کہ عام رواجی عبادات اور سلوک کی چند حکایات کو اپنا لینے سے اللہ تعالیٰ کے اسرار حاصل نہیں ہو سکتے اس کے لئے ایسے پیر و مرشد کا دامنِ ارادت پکڑنا ہو گا جو اس راستے پر چلا ہو اور شریعت کی منازل طے کی ہوں۔ نیز نفس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کافر تو آپ کو جان سے مارنے کا ارادہ کرتے ہیں لیکن یہ مکار نفس آپ کے ایمان کو ختم کرنے کے درپے ہوتا ہے۔ آخر میں حضرت نے تکوینی امور پر مامور افراد کی تشکیل کے بارے میں بحث فرمائی ہے۔

اس شمارے میں "مختلف سلاسل میں طریقِ تربیت" کے عنوان سے ایک مضمون بھی شامل کیا جا رہا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ تربیت کے لئے جذب و سلوک کے دو طریقے رائج ہیں جن کی اپنی اپنی خوبیاں اور مشکلات ہیں نیز اس بات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے کہ کس طرح دونوں طریقوں میں تطبیق کرتے ہوئے ان دونوں کی خوبیوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا جا سکتا ہے۔

قارئین سے گزارش ہے کہ اس شمارے کا بغور مطالعہ فرمائیں اور اپنی آراء سے مطلع فرمائیں۔

سید شبیر احمد کاکاخیل

حمدِ باری تعالیٰ

یاد دل میں بسی ایسی تیری
صرف نظروں میں ہے ہستی تیری

تری ہستی کے سامنے ہیچ ہیں سب
سب پہ لازم ہے بندگی تیری

تجھ پہ ایماں ہو تجھ سے ڈرنا ہو
کتنی آساں ہے دوستی تیری

میں کیا ہوں کیا میرا ہوگا
چیزیں میری جو ہیں وہ بھی تیری

جو بھی مر مٹ کے تیرا بن جائے
نگہبان اس کی خدائی تیری

ہر کسی کو خوشی اپنی محبوب
مجھ کو محبوب ہے خوشی تیری

جو نہ پایا تجھے تو کیا پایا
کتنی پر لطف آگہی تیری

آنکھیں اندھی ہیں اس کی جس نے بھی
خود کو دیکھا شان نہ دیکھی تیری

کان دونوں ہی اس کے بہرے ہیں
بات سن کر بھی نہ سنی تیری

دل اس کا دل نہیں ہے پتھر ہے
جس نے بھی بات نہ سمجھی تیری

اس کی تعریف پہ مائل شبیرؔ
زہے قسمت، ہے شاعری تیری

نعت شریف

کیا رہے دل میں

کیا رہے دل میں اگر حب مصطفیٰ نہ رہے
یا پھر عمل میں اگر ان کی اتباع نہ رہے

جن کو معراج میں بھی خیال تھا اُمت کا تو پھر
ان کو خیال کیسے قیامت میں ہمارا نہ رہے

ان کی صورت ان کے انداز اور کمالات ان کے
یاد ہو کیسے عمل میں خیال ان کا نہ رہے

جبکہ احسان کا بدلہ نہیں احسان کے سوا
کیسے انسان پھر ان کے ساتھ باوفا نہ رہے

جب کہ ثانی نہیں جمال و کمال کے ان کا
دل کیسے ان کی محبت میں مبتلا نہ رہے

ایک ہی بات میں قصہ کرو اب ختم شبیرؔ
نہیں انسان جو کسی حال میں ان کا نہ رہے

خدا کی چاہت اور مصطفٰے کی چاہت

خدا یہ چاہے کہ ہم مصطفٰی کے پیچھے چلیں
نبی یہ چاہیں کہ ہر حال میں اللہ کے بنیں

خدا نے رکھا طریقہ ہے مصطفٰی کا صرف
نبی یہ چاہیں کہ بس صرف ہم خدا سے ڈریں

خدا یہ چاہیں کہ درود مصطفٰی پر بھیجیں
نبی یہ چاہیں کہ ہر وقت خدا کا ذکر کریں

خدا نبی کو شفاعت کی اجازت دیں گے
نبی پھر بخشش امت کے بغیر کیسے رہیں

خدا نبی کی محبت سے ہو خوش اور نبی
خوش ہوں دل میں جو شبیؔر حب الٰہی رکھیں

صفر المظفر

نحس سے پانحس سے پاک مہینے سارے
کوئی منحوس نہیں ہے پیارے

اس طرح صفر المظفر بھی
غلط نہ سوچنا اس کے بارے

کہے منحوس اسے ہے منحوس
توہمات ہی اس کو مارے

جو بلائیں اسی میں مانتے ہیں
اُلٹے ہیں ان کی عقل کے دھارے

اپنی تقدیر کا مالک ہے خدا
کرسکیں کیا بے وقوفو تارے

کہے یوں ہوتا تو پھر یوں ہوتا
اس میں شیطان وسوسہ مارے

کہنا ایسا ہی تو مقدر تھا
اس میں شیطان سے کوئی کیوں ہارے

جھوٹے لوگوں کے جھوٹ کی شبیرؔ
تو نے لی خوب کیا خبر واہ رے

مطالعہ سیرت بصورت سوال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ ۞

سوال:

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ چہارم میں اسلام سے پہلے عربوں کی حالت کے باب میں ان کی توہم پرستی کے متعلق فرماتے ہیں کہ عرب سانپ کو قتل نہیں کرتے تھے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جب سانپ کو مارا جائے تو اُس کا جوڑا آکر بدلہ لیتا ہے یہ اعتقاد تو ہمارے ہاں بھی اس وقت موجود ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ یہاں اگر کوئی سانپ کو مار ڈالے تو اُس کے سر کو بہت زیادہ مسخ کرتا ہے اس میں یہ بات ہوتی ہے کہ اس مرے ہوئے سانپ کی جوڑی آتی ہے اور اس کے آنکھوں میں مارنے والے کی تصویر ہوتی ہے جس کو اُس کی جوڑی پہچان لیتی ہے اور پھر وہ اُس شخص کو ڈھونڈتی ہے۔

کیا یہ اعتقاد کفر ہے اور اس سے بچاؤ کی تدبیر کیا ہے؟

جواب:

اصل میں اگر ہم سائنسی لحاظ سے دیکھیں تو اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے کہ آنکھوں میں تصویر بن جاتی ہے۔ آنکھوں میں تصویر کیسے بن سکتی ہے؟ مثلاً اگر کوئی ایک طرف سے مارے اور وہ سانپ کو نظر ہی نہ آئے تو اس وقت تصویر کیسے بنے گی؟ کیونکہ یہ ضروری تو نہیں کہ جو سانپ کو مار رہا ہو تو سانپ اس کو دیکھ بھی رہا ہو۔ اس کی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ اگر سانپ اس وقت اس کو بالکل دیکھ رہا ہو تو ایسی صورت میں اگر کوئی تصویر وغیرہ بن جاتی ہے اور وہ دیکھ سکتا ہو تو پھر کوئی بات ہوتی۔ لیکن ایسا ممکن نہیں ہے کہ اس کی جوڑی اس کو دیکھ سکتی ہو۔ اور اگر کئی لوگ سانپ کو ماریں تو کس کس کی تصویر بنے گی۔ لہٰذا یہ ذہن کے اندر ویسے ہی چیزیں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اور یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جس چیز کی جانچ پڑتال نہ ہو تو اس میں بہت زیادہ توہمات بنتی

ہیں۔ ہمارے علاقوں میں یہ بات مشہور ہے کہ اگر کوئی بال کی گرہ کھولنے میں کامیاب ہو جائے تو سارے مردے زندہ ہو جائیں گے، اسی طرح اگر کوئی سارے تارے گن لے تو سارے مردے زندہ ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے یہ کام کبھی ہو گا نہیں، جب ہو گا نہیں تو آپ اس کے بارے میں جتنی مرضی باتیں بنالیں، اس کو کون چیک کر سکتا ہے۔ در اصل یہ عوامی باتیں ہوتی ہیں اور عوامی باتوں میں ایسی بہت ساری چیزیں آجاتی ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ لہٰذا اگر کوئی توہم پرستی کی وجہ سے کر رہا ہو تو پھر تو یہ غلط ہے۔ لیکن اگر کوئی تحقیقی بنیادوں پر کر رہا ہو تو پھر وہ توہم پرستی نہیں رہے گی۔ لہٰذا اگر یہ توہم پرستی ہے تو پھر تو نہیں کرنا چاہیے، اور اپنے آپ کو اس سے بچانا چاہیے۔ البتہ اگر کوئی تحقیقی بات ہو تو پھر مانی جا سکتی ہے۔ جیسے بعض سانپ ایسے ہوتے ہیں جو آدمی کو دیکھ کر باقاعدہ زہر کی پچکاری مارتے ہیں اور وہ ادھر ہی لگتی ہے جدھر وہ سانپ چاہتا ہے، مثلاً آنکھوں پہ لگتی ہے تو آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔ اور جانور پر بھی مارتے ہیں، یہ بالکل ایک حقیقی چیز ہے۔ یہ کوئی توہم پرستی نہیں ہے بلکہ یہ چیز موجود ہے۔ اور اللہ پاک نے ان کو یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بچانے کے لئے یہ ترتیب کر سکتے ہیں۔ اسی طرح بہت سارے جانوروں کو خود کو بچانے کے لئے بڑی عجیب عجیب ترتیبیں اللہ پاک نے دی ہیں، لہٰذا وہ چیزیں حقیقت ہیں اور وہ چلتی ہیں۔ بہر حال اگر کوئی سائنسی چیز ہے تو وہ تحقیقی ہوتی ہے اور اس کے اثرات ہوتے ہیں تو اس کو ماننا پڑتا ہے۔ لیکن بعض بلا وجہ کی اور خواہ مخواہ کی باتیں ہوتی ہیں جن کو لوگوں نے مشہور کیا ہوتا ہے۔ اور توہم پرستی ایسی چیز ہے کہ اس سے انسان ڈرتا ہے اور اگر نہیں بھی مانتا تو پھر بھی اس کا خوف ہوتا ہے۔ جیسے کوئی کہتا ہے کہ شعبان کے مہینے میں کوئی شادی کرے گا تو ایسا ہو جائے گا۔ فلاں اگر یہ کام کرے گا تو ایسے ہو جائے گا اس لئے لوگ جرأت نہیں کرتے۔ حالانکہ دیندار لوگ ہوتے ہیں پھر بھی اس میں جرأت نہیں کرتے۔ میں نے اپنی شادی شعبان میں کروائی تھی تو پھر میں اللہ پاک سے مانگتا تھا کہ یا اللہ مجھے کوئی نقصان نہ ہو کیونکہ لوگوں کی توہم پرستی اور بڑھ جائے گی اور وہ کہیں گے کہ دیکھو ہم نے کہا تھا ناں کہ اس طرح نہ کرو۔ تو الحمد للہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ لہٰذا توہم پرستی کی چھاپ بڑی سخت ہوتی ہے، اس کو اتارنا آسان نہیں ہوتا، لوگ ڈرتے ہیں۔ جیسے صفر کے مہینے میں لوگ کتنے ڈرتے ہیں، صفر کے مہینے

کے بارے میں عوام میں کتنی غلط باتیں مشہور ہیں اور کہتے ہیں کہ کتنی بلائیں اترتی ہیں۔ اس کے لئے لوگوں نے وظیفے گھڑے ہوئے ہیں، اور با قاعدہ اخبارات میں آتے ہیں کہ فلاں فلاں وظیفہ پڑھو۔ حالانکہ حدیث شریف موجود ہے: "لَا صَفَرَ" (سنن ابی داوٗد، حدیث نمبر: 3916) کہ صفر میں کچھ بھی نہیں۔ تو جس کو اس حدیث شریف کا پتا ہے اس کو تو کچھ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ بس آدمی کہتا ہے یہ ساری باتیں فضول اور بکواس ہیں۔ لہٰذا اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے با قاعدہ اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ہمیں بھی اس کا خطرہ ہوتا تھا لیکن ہم اپنے توکل سے اس وسوسے کو بھگاتے تھے۔ حالانکہ یہ صحابی رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہیں۔ لیکن چونکہ عربوں میں یہ چیزیں مشہور تھیں تو وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں بھی اس کا وسوسہ آتا تھا لیکن ہم توکل کے ساتھ اس کو بھگاتے تھے۔ لہٰذا اگر خیال آ جائے تو خیال کا کوئی مسئلہ نہیں ہے، لیکن اس خیال کو پکانا نہیں چاہیے، اس کے تقاضے پہ عمل نہیں کرنا چاہیے۔ بس یہی اس کا علاج ہے۔ اللہ جل شانہ ہم سب کو ان چیزوں سے محفوظ فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝

بیان جمعۃ المبارک

﴿حضرت شاہ صاحب مدظلہ﴾

استغفار، خیر و برکت اور خوشحالی کا ذریعہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
﴿قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴾ (یٰس: 19)
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

باتیں بہت ہو سکتی ہیں باتوں کی کوئی انتہا نہیں ہو سکتی لیکن وہ بات جو موقع و محل کے مطابق ہو وہ زیادہ فائدہ دیتی ہے۔ بعض اوقات ایسی باتیں بھی مشہور ہو جاتی ہیں جن کا نہ کوئی سر پیر ہوتا ہے اور نہ کوئی ثبوت۔ ہمارا دین بہت مضبوط بنیادوں پہ قائم ہے۔ اس کی بنیاد ظن و گمان اور سنی سنائی باتوں پہ نہیں ہے کہ جو بھی چیز کسی کے ذہن میں آ جائے اس کو دین کے ساتھ نتھی کر لے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے، آپ ﷺ نے اس کو پہنچایا ہے اور آپ ﷺ نے اس پر گواہی بھی قائم کی ہے۔ عرفات کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدہ: 3)

ترجمہ: "آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کر لیا"۔

یہ بات سن کر ایک یہودی نے کہا: "اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بنا لیتے"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے فرمایا: "ہماری اس دن دو عیدیں تھیں، جمعہ کا دن بھی تھا اور حج کا دن بھی"۔ یہ بہت ہی خوشی کی بات ہے کہ دین مکمل ہو گیا ہے۔ اب دین کے اندر کوئی تبدیلی نہیں لائی جا سکتی جو تبدیلی لائے گا اور

اس کو دین سمجھے گا وہ بدعتی ہو گا اور بدعت کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

"كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ" (سنن ابن ماجة: 46)

ترجمہ: "ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے"۔

لہٰذا ہم سب کو اس بات سے بچنا چاہیے کہ ہم کسی بھی بات کو بغیر ثبوت کے دین سمجھیں۔ دینی بات ایسی ہونی چاہیے جسے ہم یقین کے ساتھ دین کہہ سکیں۔ سنی سنائی باتوں پہ نہ چلیں۔ ایک تو یہ بات بہت اہم ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اسی دن تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا تھا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے جو میرے پاس بھیجا تھا میں نے تم تک پہنچا دیا ہے؟ تمام صحابہ کرام نے کہا: "یارسول اللہ (ﷺ) نہ صرف پہنچایا ہے بلکہ حق ادا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر فرمایا: "یا اللہ تو گواہ رہنا، یا اللہ تو گواہ رہنا، یا اللہ تو گواہ رہنا"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دین وہ ہے جو آپ ﷺ نے پہنچایا ہے اس کے علاوہ جو بھی بات ہو گی اسے دنیا کے لحاظ سے تو ہم مان سکتے ہیں، لیکن دینی معاملات میں نہیں مان سکتے۔ دنیاوی معاملات میں ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ آپ ﷺ نے خود فرمایا:

"أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْيَاكُمْ" (صحیح مسلم: 6128)

ترجمہ: "تم اپنے دنیاوی کاموں کو بہتر جانتے ہو"۔

پس اگر دینی نصوص سے ہٹ کر طبّی تحقیق ہو جائے تو کوئی پابندی نہیں، سائنس میں تحقیق ہو جائے تو کوئی پابندی نہیں، زراعت میں تحقیق ہو جائے تو کوئی پابندی نہیں، انجینئرنگ میں ترقی کر لی جائے تو کوئی پابندی نہیں۔ یہ سارے دنیا کے امور ہیں دنیا کے امور میں تبدیلی پر کوئی پابندی نہیں کیونکہ سائنس ترقی پذیر ہے یہ وقت کے ساتھ ساتھ ترقی کر رہی ہے، یہ زیرو سے شروع ہوئی اور اس کا علم بتدریج بڑھ رہا ہے جبکہ دین مکمل ہو چکا ہے اس میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ یہ اس دن مکمل ہوا تھا جس دن یہ فرمایا گیا: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدہ: 3)۔ اب اس کے اندر کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دین ہم خود ترتیب نہیں دے رہے یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ترتیب دیا ہوا ہے۔ بہت سارے کفار یہ کہتے ہیں کہ قرآن آپ ﷺ کی لکھی ہوئی کتاب ہے، کیا مسلمان یہ

بات مانتے ہیں؟ اس کو مسلمان نہیں مانتے بلکہ مسلمان کہتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ پاک کی بھیجی ہوئی کتاب ہے اور آپ ﷺ نے اس کو ہم تک پہنچایا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ یہ **"کتاب اللہ"** ہے جبکہ نبی ﷺ "رسولُ اللہ" ہیں۔ "رسول اللہ" نے **"کتاب اللہ"** ہم تک پہنچائی ہے۔ یہ سارا قرآن اور سارا دین اللہ پاک کی وحی سے ترتیب پایا ہے، نبی ﷺ نے بھی اس دین میں اپنی مرضی سے خود کچھ شامل نہیں کیا بلکہ سب اللہ کے حکم اور منشاء کے مطابق کیا۔ جب خود نبی پاک ﷺ نے دین میں اپنی طرف سے کوئی بات شامل نہیں کی تو امتیوں میں سے کوئی اٹھ کر دین میں اضافہ کیسے کر سکتا ہے، کسی اور کو کیسے موقع دیا جا سکتا ہے کہ وہ اس کے اندر چیزیں شامل کرے۔ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ اصولی باتیں ہیں ان کو اچھی طرح سمجھنا چاہیے۔ ہمارے دین کی بنیاد انہی چیزوں پر ہے۔

صفر کا مہینہ شروع ہے۔ اس کے بارے میں لوگوں نے کئی قسم کی باتیں بنائی ہوئی ہیں جو محض ظن اور تخمین پر مبنی ہیں جن کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے۔ مثلاً بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صفر کے مہینے میں کوئی نحوست ہوتی ہے، اس میں مصیبتیں وغیرہ آیا کرتی ہیں۔

جاننا چاہیے کہ در اصل نحوست کہتے کسے ہیں؟ سورۂ یٰس میں اصحاب القریہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اللہ نے بستی والوں کی طرف انبیاء بھیجے تھے، بستی والوں نے ان کی بات نہ مانی بلکہ انہیں کہنے لگے کہ ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں، تمہاری وجہ سے ہم پر مصیبتیں آنا شروع ہو گئی ہیں۔ ان انبیاء نے بستی والوں کو جو جواب دیا اللہ پاک نے اسے قرآن میں اس طرح نقل فرمایا ہے:

﴿قَالُوْا طَآىِٕرُكُمْ مَّعَكُمْ اَىِٕنْ ذُكِّرْتُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴾ (یٰس: 19)

ترجمہ: "رسولوں نے کہا: تمہاری نحوست خود تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ کیا یہ باتیں اس لیے کر رہے ہو کہ تمہیں نصیحت کی بات پہنچائی گئی ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ تم خود حد سے گزرے ہوئے لوگ ہو"۔

نبیوں نے بستی والوں سے کہا کہ تم لوگوں نے جو اپنی بات کو صحیح سمجھا ہے یہی نحوست ہے۔ پیغمبر تو تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت دے رہا ہے، لیکن تم اسے غلط سمجھ کر ٹھکرا رہے ہو اور اپنی بات کو درست سمجھ رہے ہو یہی اصل نحوست ہے۔ معلوم

ہوا کہ اصل نحوست انبیاء کی تعلیمات کو نہ ماننا ہے۔

اللہ پاک نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّمَا النَّسِيٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ﴾ (التوبۃ: 37)

ترجمہ: "اور یہ نسیئ (یعنی مہینوں کو آگے پیچھے کر دینا) تو کفر میں ایک مزید اضافہ ہے"۔

یعنی من جملہ کفریات کے یہ حرکت بھی کفر ہے جو کفارِ قریش ماہ محرم وغیرہ کے متعلق کیا کرتے تھے مثلاً اپنی غرض سے محرم کو صفر قرار دے کر اس میں لڑائی کو حلال قرار دیتے تھے۔ اپنی طرف سے مہینوں کو آگے پیچھے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مہینے جس ترتیب سے بنائے ہیں انہیں اسی طریقے سے سمجھنا چاہیے، اس میں تبدیلی کرنا اللہ پاک نے حرام قرار دیا ہے۔ جیسے عرفات کا دن نو ذی الحج کو ہوتا ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس دفعہ یوم عرفات گیارہ ذی الحج کو ہو جائے یا اس دفعہ یکم ذی الحج کو کر لو۔ یا یہ کہ اس بار گرمی زیادہ ہے رمضان شریف کو ذرا پہلے کر لیتے ہیں یا ذرا بعد میں کر لیتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، یہ صریح حرام ہے۔ اس لئے کہ یہ سب مہینے اور ان کی ترتیب اللہ پاک نے بنائی ہے ان مہینوں کو کوئی آگے پیچھے نہیں کر سکتا۔

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہ مرض کا تعدیہ ہے بلکہ جس طرح اولاً حق تعالیٰ کسی کو مریض بناتے ہیں اسی طرح دوسرے کو اپنے مستقل تصرف سے مریض کر دیتے ہیں۔ میل جول وغیرہ سے مرض کسی کو نہیں لگتا۔ یہ سب وہم ہے اور نہ جانور کے اڑنے سے بد شگونی لینا کوئی چیز ہے جیسے کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ داہنی جانب سے تیتر وغیرہ اڑے تو منحوس جانتے ہیں، یہ سب ڈھکوسلے ہیں اور نہ الو کی نحوست کوئی چیز ہے جیسے کہ عام طور پر لوگ اس کو منحوس خیال کرتے ہیں، یہ بالکل من گھڑت بات ہے اور حدیثِ صریح کے خلاف ہے اور ایک رسم اس ماہ کی آخری چار شنبہ کی مروج ہے یہ بھی بالکل بے اصل ہے۔

یہاں پر کچھ چیزوں کی تشریح ضروری ہے۔ میں نے ابھی عرض کیا کہ ہمیں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرنی جو کہنا ہے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے کہنا ہے کیونکہ دین کی بنیاد دو چیزوں یعنی قرآن اور سنت پر ہے۔

پہلے تعدیہ کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہوں۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ "جذامی سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو"۔ آپ ﷺ نے جذامی کو ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت نہیں فرمایا بلکہ فرمایا تم بیعت ہو چکے ہو۔ ان احادیث سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید کسی بیماری کے منتقل ہونے کا اصلی اور مستقل سبب تعدیہ ہے۔ لیکن کچھ احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعدیہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ان دونوں باتوں میں تطبیق اس طرح ہو گی کہ بنیادی مسئلہ تقدیر کا ہے۔ ہمارے عقیدہ کے مطابق ساری چیزیں پہلے سے لکھی ہوئی ہیں، جس کو مرض لگنا ہو گا اسے لگے گا اور جس کو نہیں لگنا ہو گا اسے نہیں لگے گا۔ حکم اللہ کا چلتا ہے۔ جب بیماری لگنی ہوتی ہے تو لگ جاتی ہے اور جب نہ لگنی ہو نہیں لگتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سفر میں تھے، جس بستی سے گزرنے والے تھے معلوم ہوا کہ وہاں طاعون کی وبا پھیل گئی ہے تو راستہ بدل لیا، اس بستی سے نہیں گزرے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا آپ تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تقدیر سے تقدیر کی طرف جا رہا ہوں یعنی جہاں جا رہا ہوں وہاں بھی تقدیر ہے۔ یہ تطبیق ہے اور یہ درمیانی راستہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درمیانی راستہ اختیار کیا، ہمیں بھی درمیانی راستہ اختیار کرنا چاہیے، ان چیزوں میں اصل اللہ کا حکم اور تقدیر کو سمجھنا چاہیے۔ جو اسباب بظاہر نظر آتے ہیں انہیں اصل نہیں سمجھنا چاہیے۔ اصل اللہ کا حکم ہے جب اللہ چاہے گا تو مرض لگے گا جب اللہ نہیں چاہے گا تو مرض نہیں لگے گا۔ اسباب کے دائرے میں ہم اپنے آپ کی حفاظت کریں گے خواہ مخواہ آ بیل مجھے مار والا کام نہیں کریں گے، خواہ مخواہ وہم نہیں کریں گے کیونکہ وہم سے انسان کی قوت مدافعت ختم ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر حضرات اس کے گواہ ہیں کہ تحقیق کے مطابق جب انسان کو کوئی خوف لاحق ہوتا ہے، کوئی خطرہ ہوتا ہے یا کسی چیز کا وہم ہوتا ہے تو اس کی قوت مدافعت کم ہو جاتی ہے۔ مثلاً پہلے اس کی قوت مدافعت سو فیصد تھی، کسی بیماری کے بارے میں وہم ہو گیا کہ کہیں یہ مجھے لاحق تو نہیں ہو گئی، اس وہم اور ڈر سے پچاس فیصد قوت مدافعت کم ہو جاتی ہے، اب پچاس فیصد رہ جاتی ہے، لہٰذا جو بیماری اس پہ حملہ کرنا چاہتی تھی اب زیادہ آسانی سے حملہ کر سکے گی، کیونکہ اس بیماری کے خلاف مدافعت کی قوت کم ہو چکی ہے۔ دوسری طرف اسباب کے دائرے میں اس بیماری سے بچنے کے

طریقوں پر عمل کرنا بھی ضروری ہے، اسباب کے درجے میں اپنے آپ کو بچانا بھی ضروری ہے، لیکن یقین ان اسباب پر نہیں ہو گا یقین صرف اللہ پر ہو گا۔ ہم جو دوا کھاتے ہیں جو پرہیز اختیار کرتے ہیں اس کے بارے میں کبھی بھی سو فیصد یقین نہیں ہوتا کہ ہم اس سے ٹھیک ہو جائیں گے، خود ڈاکٹروں اور حکیموں کو بھی سو فیصد یقین نہیں ہوتا کہ یہ حتمی اور یقینی علاج ہے۔ اس لئے کئی مرتبہ ڈاکٹر حضرات کے بس سے کام باہر ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں بس اب دعا کریں۔ دراصل دعا کا تو اسی وقت کہنا چاہیے تھا جب پہلی بار دوا دی تھی، کیونکہ شفا تب بھی دوا نے نہیں دینی تھی شفا اب بھی دوا نے نہیں دینی، پہلے بھی اللہ پاک نے شفا دینی تھی اب بھی اللہ پاک نے دینی ہے۔ دوا تو صرف بطور سبب کے اختیار کرتے ہیں، اور اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ اللہ پاک نے حکم دیا ہے کہ سبب اختیار کرو اور اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا ہے کہ اصل شفا دینے والا اللہ ہی کو سمجھو اس لئے سبب ضرور اختیار کرو مگر مسبب الاسباب اللہ پاک کو سمجھو۔ کیونکہ پہلے بھی اللہ ہی کرتا ہے بعد میں بھی اللہ کرتا ہے ہاں یہ بات ہے کہ پہلے تم اسباب اختیار کر رہے ہو سارے اسباب اختیار کر کے دیکھ لئے سب اسباب فیل ہو گئے اب صرف مسبب الاسباب کی طرف دیکھ رہے ہو۔ اس طرح کر سکتے ہیں اس پہ پابندی نہیں ہے لیکن پہلے اپنی طرف سے نہ سمجھو کہ میں کرتا ہوں بلکہ کہو کہ پہلے بھی اللہ ہی کرتا ہے۔

میجر جنرل عجب خان میرا دوست ہے وہ جب بھی نسخہ لکھتا ہے اس کے اوپر لکھتا ہے "شفا اللہ کے ہاتھ میں ہے"۔ اور یہی بات صحیح ہے کہ شفا اللہ کے ہاتھ میں ہے اگر اللہ پاک چاہے گا تو شفا ہو گی۔ آپ یقین کیجئے کہ بعض اوقات سادہ پانی سے بھی شفا مل جاتی ہے۔ ہمارے گاؤں کی بوڑھی عورتیں اکثر ایک دعا دیتی ہیں کہ "اللہ تیرے لئے گڑھے کا پانی دوائی بنا دے" پشتو میں کہتے ہیں "اللہ دې دَ منگی اوبه دارو کړه"

"اللہ تعالیٰ تیرے لئے گھڑے کا پانی دوائی بنا دے"۔ مجھے اس کا تجربہ ہو چکا ہے، میں گواہ ہوں کہ اللہ چاہے تو گھڑے کا پانی بھی دوائی بن جاتا ہے۔ طالب علمی کے زمانے میں جب میں ہوسٹل میں رہتا تھا تو ایک مرتبہ ایسا شدید بیمار ہو گیا کہ چار پائی سے نہیں اٹھ سکتا تھا۔ اب ایک تیمار دار میرے ساتھ بیٹھا ہوا ہے اور ہنس ہنس کے کہتا ہے کہ شبیر صاحب لگتا ہے آپ نے بڑے گناہ کئے ہیں اللہ تعالیٰ بس آپ کے گناہ معاف کرنا چاہتا

ہے ورنہ آپ ٹھیک ہی ہیں۔ میں نے کہا: اللہ کرے میرے گناہ معاف ہو جائیں۔ اب میں صبح سویرے اٹھا ہوں۔ اٹھنا بہت مشکل تھا، لیکن میں نماز پڑھاتا تھا اس لئے اٹھنا ضروری تھا۔ میں نے کسی اور آدمی کو جگا کر کہا کہ باقی سب کو تم جگا دو۔ اس نے باقیوں کو جگا دیا۔ بڑی مشکل سے مسجد پہنچے۔ نماز پڑھائی، سہو ہو گیا، دوسری دفعہ شروع کی پھر سہو ہو گیا، تیسری دفعہ میں نے کہا کہ مجھ سے نہیں پڑھائی جا رہی خود اپنی اپنی نماز پڑھ لو۔ نماز کے بعد دل چاہا کہ ذرا پانی پی لوں تو گلاس لے کے بڑی مشکل سے نلکے تک پہنچا اور ایک گلاس پانی پیا۔ اس پانی کا پینا تھا کہ میری طبیعت بالکل ٹھیک ہو گئی، میں مکمل تندرست ہو گیا، دوسرا گلاس پیا تو جو بچی کچھی کمزوری تھی وہ بھی دور ہو گئی۔ میں اس بات پہ حیران ہوا کہ کیسی بیماری تھی جو دو گلاس پانی پینے سے دور ہو گئی۔ اس کے بعد میں ناشتہ کرنے کے لئے خود ڈائننگ ہال گیا۔ خوب ناشتہ کیا، اس دن presentation دی، کسی کو پتا بھی نہیں چلا کہ میں بیمار تھا سوائے اس تیمار دار کے یا ان نمازیوں کے۔ اب یہ کیا چیز ہے، میں نے کون سے antibiotic لی تھی کون سی antiflammatory لی تھی۔ کچھ بھی نہیں لیا تھا بس پانی پیا تھا اور اللہ نے صحت دے دی۔ اس کا مطلب ہے کہ صحت اور بیماری سب اللہ پاک کے ہاتھ میں ہیں اور دوائی، پرہیز احتیاط وغیرہ سب محض اسباب ہیں۔ اللہ پاک بعض دفعہ دکھاتا ہے کہ اصل میں کرتا میں ہی ہوں۔ پہلے بھی یہی بات ہوتی ہے بعد میں بھی یہی بات ہوتی ہے۔ ہاں اسباب کے دائرے میں ضرور دوائی استعمال کرو جیسے گرمی سردی سے بچنے کے لئے کپڑے پہنتے ہیں، کچھ اور چیزیں جو ہم اسباب کے دائرے میں کرتے ہیں، وہ کرنی چاہئیں۔ تمام ظاہری اور باطنی اسباب اسی طرح کام کرتے ہیں جس طرح اللہ پاک نے انہیں بنایا ہے لیکن سب چیزوں کے اوپر اللہ کا حکم ہے۔ بس اس بات کو سمجھنا ہے۔ یہی بات یہاں پر اس طرح فرمائی گئی ہے کہ "تعدیہ بھی نہیں ہے نہ جانور کے اڑنے سے بد شگونی لینا کوئی چیز ہے اور نہ الو کی نحوست کوئی چیز ہے جیسے عام طور پر لوگ اس کو خیال کرتے ہیں"۔ اس وجہ سے ہم لوگوں کو ان چیزوں سے بچنا ہو گا۔

اکثر علاقوں میں صفر کے آخری چار شنبہ کے دن چُوری وغیرہ بنائی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی امہات المومنین نے آپ ﷺ کے صحت یاب ہونے کی خوشی میں کچھ کھانا بنایا تھا۔ ہم بھی اسی خوشی میں یہ سب کرتے ہیں۔ شریعت میں اس کی

کوئی حقیقت نہیں ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: بد فالی شرک ہے۔ تین دفعہ ایسا فرمایا کہ بد فالی شرک ہے۔ بد فالی یہ ہے کہ مثلاً میں باہر گیا اور کوئی بلی آ گئی، اس سے میں نے یہ سوچا کہ میرے سامنے سے بلی گزر گئی ہے اس لئے اب میں جہاں جا رہا تھا وہاں نہیں جاؤں گا، یہ سفر ٹھیک نہیں رہے گا۔ یہ سب ہندوؤں کی باتیں ہیں۔ ہندوؤں کے ہاں باقاعدہ بڑے بڑے سیاسی لیڈر، وزرائے اعظم اور صدور وغیرہ جوتشی سے باقاعدہ زائچہ بنواتے ہیں کہ میں یہ سفر کروں یا نہ کروں، میں یہ کام کروں یا نہ کروں، ہر چیز میں اس کا خیال رکھتے ہیں، ان کا اثر ہمارے اوپر بھی آ گیا ہے۔ آج کل اخباروں میں آتا ہے کہ "آپ کا یہ ہفتہ کیسا رہے گا"۔ خدا کے بندو یہ چیزیں تمہیں معلوم نہیں ہو سکتیں یہ تو اللہ پاک کے علم میں ہیں۔

ایک دفعہ شیر شاہ سوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بابر سے کسی جوتشی نے کہا کہ یہ تمہارے خاندان کو ختم کرے گا۔ شیر شاہ سوری بھی دربار میں موجود تھے، انہوں نے جوتشی سے پوچھا کہ تیری کتنی عمر باقی ہے؟ اس نے کہا: چھ سال۔ شیر شاہ سوری نے تلوار نکالی اور اس کا سر قلم کر دیا۔ اور کہا کہ بادشاہ سلامت جواب حاضر ہے، اِس نے کہا کہ اِس کی عمر چھ سال باقی ہے اور یہ ابھی مارا گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ جھوٹا تھا اگر یہ اپنے بارے میں نہیں جانتا تو دوسرے کے بارے میں کیا جان سکتا ہے۔

فال لینا کوئی چیز نہیں ہوتی۔ لوگوں نے اپنی طرف سے باتیں بنائی ہوئی ہیں۔ یہ فال نکالنے والے لوگ طوطا فال سڑک پہ بیٹھے ہوتے ہیں۔ ایک آدمی نے ان سے پوچھا کہ طوطا فال نکالنے سے کیا ہوتا ہے؟ کہتے ہیں کہ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ آپ کیسے اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا اگر ایسی بات ہے تو پھر پہلے اپنے لئے فال نکالو۔ خود تو ایسے فٹ پاتھ پہ بیٹھ کر لوگوں سے ایک ایک روپیہ مانگ رہے ہو، اپنے لئے بھی کوئی فال نکلواؤ کہ میری زندگی کیسے خوشحال ہو گی۔ یہ لوگوں نے بس باتیں بنائی ہوئی ہیں جو مشہور ہو گئی ہیں۔ لوگوں کو دنیا کے ساتھ بہت لگاؤ ہے۔ اگر آپ کسی کو بتا دیں کہ اس طرح کرنے سے آپ کی دنیا اچھی رہے گی تو لوگ آپ کی بات بھی غور سے سنیں گے۔ میں تجربہ سے کہہ رہا ہوں اگر آپ چاہیں تو آپ بھی تجربہ کر سکتے ہیں۔ کسی دن اپنے دفتر میں بیٹھ جائیں، بڑے بڑے افسروں سے بات کریں اور کہیں کہ آپ کے ہاتھ میں

تو بہت زبردست لکیریں ہیں، آپ کو تو یہ یہ ملے گا، پھر دیکھیں وہ آپ کی بات کتنی توجہ کے ساتھ سنتے ہیں۔ یہ ساری کی ساری فضولیات ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم میں کوئی ایسا نہیں جن کو ایسے خیالات نہ آتے ہوں لیکن ہم ان کو توکل کے ذریعے ختم کر دیتے ہیں۔ دنیا میں ہر قسم کا خیال آ سکتا ہے مثلاً یہ کہ میں بیمار نہ ہو جاؤں۔ بھائی ہر ایک بیمار ہوتا ہے لیکن وقت سے پہلے کیوں مرتے ہو، جب وقت آئے گا تو دیکھیں گے۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ وہم کرنا شروع کر لو کہ پتا نہیں کیا نہ ہو جائے، پتا نہیں کیا نہ ہو جائے۔ ان چیزوں کے پیچھے نہ پڑو، توکل کرو۔

﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ (الطلاق: 12)

ترجمہ: "اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے، تو اللہ اس (کا کام بنانے) کے لیے کافی ہے"۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾ (آل عمران: 159)

ترجمہ: "اللہ یقیناً توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔

جو بات مشہور ہو اس بات کا خیال وقت پر آ ہی جاتا ہے لیکن اس خیال پر عمل کرنا اور دل میں جمانا جائز نہیں بلکہ توکل کے خیال کو غالب کر لے تو وہ خیالِ باطل فوراً رفع دفع ہو جائے گا۔

یہ تو ماہِ صفر کے بارے کچھ معروضات تھیں۔ اب ایک اور بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت پورے ملک کے اوپر بہت زیادہ مشکل حالات ہیں۔ ملک کے سیاسی حالات بھی آپ کے سامنے ہیں اور سیلاب کی صورتحال بھی آپ کے سامنے ہے۔ اگر ہم ایسے حالات میں صرف خبریں دیکھتے اور سنتے رہیں اور بحثیں کرتے رہیں تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس وقت ہمارے ذمہ دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم سیلاب زدگان کی مدد جس طریقے سے اور جس لیول پر کر سکتے ہیں ضرور کریں۔ اگر کوئی آدمی ایسا ہے جو کسی بھی طرح مدد نہیں کر سکتا تو کم سے کم دعا ہی کر دے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ یہ آفات آئی کیوں ہیں۔ یہ بہت اہم بات ہے کہ ہمارے حالات ایسے کیوں ہیں؟ آپ نے بارہا کچھ خاص گناہوں سے متعلق احادیث شریفہ سنی ہوں گی کہ وہ گناہ جس قوم میں عام ہو جائیں اُس قوم پہ اللہ کی طرف سے عذاب نازل ہوتے ہیں۔ اگر ہمارے ملک میں وہ سب کام ہو رہے ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان گناہوں

کی پاداش میں یہ عذاب نازل ہو رہے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں اس کو عذاب نہ کہو۔ بھائی کیوں عذاب نہ کہیں؟ کیا ہم گناہگار نہیں ہیں؟ ہم میں سے کون ہے جو کہہ سکے کہ میں گناہگار نہیں ہوں۔ اگر گناہ گار ہیں تو پھر یہ بتائیں کہ کیا گناہگاروں پہ عذاب نہیں آتا؟ بلاشبہ آتا ہے۔ لیکن اس عذاب سے بچنے کے لئے کچھ راستے ہوتے ہیں، کوئی طریقہ ہوتا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتایا کہ تم پر عذاب آنے والا ہے۔ جب عذاب کے آثار آئے تو قوم کو یقین ہو گیا کہ عذاب آ چکا ہے، وہ اپنے گھروں سے نکل پڑے اور میدان میں اکٹھے ہو کر سب رونے لگے، توبہ کرنے لگے اور اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ اللہ پاک نے ان کی توبہ قبول کر لی اور عذاب کو ٹال دیا۔ لہٰذا ہمیں بھی توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ ہمارے ملک میں عذاب آیا ہوا ہے اور اب ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ عذاب کیوں آیا ہے۔ میں خود نہیں کہتا میری یہ حیثیت نہیں ہے، قرآن اور حدیث شریف میں یہ باتیں صاف موجود ہیں کہ ایسے اسباب ہوں تو عذاب آ جاتا ہے۔ البتہ کچھ حضرات پہ اللہ تعالیٰ موجودہ عذاب کے اسباب کھول دیتے ہیں، بعض اللہ والے ایسے ہوتے ہیں جن پہ یہ باتیں منکشف کر دی جاتی ہیں۔ اسی طرح یہ بات اللہ پاک نے کسی پہ کھولی ہے انہیں نے مجھے باقاعدہ میسج کیا ہے۔ میرے پاس وٹس ایپ پر وہ میسج موجود ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تین وجوہات ہیں جن کی وجہ سے موجودہ عذاب آیا ہے۔

پہلی وجہ "جھوٹ" ہے۔ ہمارے ملک میں جھوٹ بہت پھیل گیا ہے، اتنا پھیل گیا ہے کہ جھوٹ کو سچ مانا جا رہا ہے اور سچ کو جھوٹ سمجھا جا رہا ہے۔ جھوٹ ہر چیز کے اندر شامل ہو گیا ہے۔

دوسری وجہ "**سود**" ہے۔ سود بہت عام ہو گیا ہے اجتماعی اور انفرادی دونوں لحاظ سے سود کی جڑیں بہت گہری ہو چکی ہیں۔ سود بہت بڑا ظلم ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔

تیسری وجہ "رشوت" ہے۔

ان تین چیزوں کی وجہ سے عذاب آیا ہوا ہے۔ اس اللہ والے نے مجھے یہ وجوہات بتائیں اور فرمایا کہ تم لوگوں کو بتا دو۔ اب اگر میں نہیں بتاتا تو میں مجرم بن جاوں گا، اس لئے آپ حضرات کو بتا رہا ہوں۔ ہمیں ان تینوں اسباب سے اپنے آپ کو بچانا ہو گا،

توبہ کرنی ہو گی اور توبہ بھی اجتماعی اور شعوری توبہ۔ عام توبہ تو یہ ہوتی ہے کہ ہم صرف استغفار کر لیتے ہیں۔ بلاشبہ استغفار کرنا چاہیے۔ لیکن استغفار شعوری توبہ تب بنتا ہے جب مجھے پتا ہو کہ میں کس چیز سے توبہ کر رہا ہوں۔ توبہ میں تین شرطیں ہیں۔ پہلی ندامت ہے، دوسرا اس گناہ سے رک جانا ہے اور تیسرا آئندہ وہ گناہ نہ کرنے کا عزم ہے۔ آپ کس گناہ سے توبہ کر رہے ہیں، کس گناہ کو چھوڑنے کا عزم کر رہے ہیں اور کس گناہ پہ نادم ہو رہے ہیں اگر آپ کو یہ معلوم نہ ہو تو پھر توبہ کیسے کریں گے۔ لہٰذا ہمیں اجتماعی اور شعوری توبہ کرنی پڑے گی۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں ہے کہ مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے صاحب کشف تھے، ایک دفعہ انہوں نے کہہ دیا کہ عذاب آنے والا ہے اگر لوگ صدقہ کر لیں تو شاید بچت ہو جائے۔ یہ بات دیوبند کے قصبہ میں پھیل گئی۔ کچھ لوگوں نے کہا شاید مولویوں کو کچھ چیزوں کی ضرورت پڑ گئی ہے اس لئے یہ بات کر رہے ہیں۔ یہ بات حضرت تک پہنچ گئی، حضرت عالم جذب میں تھے فوراً ان کی زبان پہ جاری ہو گیا "یعقوب، یعقوب کی اولاد اور سارا دیوبند۔ یعقوب، یعقوب کی اولاد اور سارا دیوبند۔ یعقوب، یعقوب کی اولاد اور سارا دیوبند"۔ جو جاننے والے تھے انہوں نے حضرت کے منہ پر ہاتھ رکھا کہ حضرت یہ کیا فرما رہے ہیں۔ انہوں نے کہا جو ہونا تھا وہ ہو گیا، اب فیصلہ ہو گیا ہے اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد دیوبند میں طاعون کی وبا آئی تھی اور ایسی ہولناک وبا آئی کہ ایک ہی گھر سے تین تین چار چار جنازے اٹھے۔ خود مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں شہید ہو گئے، ان کے بیٹے بھی شہید ہو گئے۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اللہ پاک کسی پہ کچھ باتیں کھول دیتے ہیں۔ یہ جو بات میں نے موجودہ حالات کے تناظر میں عرض کی ہے یہ بھی اللہ نے اپنے کسی بندے پہ کھولی ہے۔ یہ بات نہ میری ہے نہ اس بندے کی ہے جس نے مجھے کہا، اسے بھی اللہ کی طرف سے بتائی گئی اور اس کے دل میں ڈالی گئی ہے۔

کشف ظنی چیز ہے، یہ کوئی یقینی بات نہیں ہوتی، یقینی بات قرآن اور حدیث ہے۔ آپ اس بات کو نہ مانیں تو کوئی حرج نہیں لیکن قرآن و حدیث کو تو مان لیں۔ کیا قرآن اور حدیث میں عذابات کا ذکر نہیں آیا؟ کیا قرآن اور حدیث میں خاص خاص گناہوں

پر خاص خاص عذابوں کا ذکر نہیں آیا کہ زکوٰۃ نہ دینے پر کیا ہوتا ہے، زنا پہ کیا ہوتا ہے، گالی گلوچ پہ کیا ہوتا ہے، ناپ تول میں کمی پہ کیا عذاب آتا ہے، سود کے لین دین سے کیا مسائل پیش آتے ہیں۔ کیا یہ ساری چیزیں نہیں آئی ہیں؟ یہ ساری چیزیں قرآن اور حدیث میں پہلے سے آ چکی ہیں۔ اس اللہ والے کو تو صرف موجودہ وقت اور حالات کے لحاظ سے بطور کشف بتا دیا گیا کہ اس وقت ان خاص وجوہات کے سبب عذاب آیا ہے۔ کشف ایک خبر ہوتی ہے، پہلے اسے قرآن و سنت پہ پیش کیا جائے اگر قرآن و سنت کے خلاف ہو تو اسے چھوڑ دو پھر اس کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ کشف ظنی ہے اور قرآن و حدیث قطعی ہیں، لیکن اگر کسی کا کشف قرآن و سنت کے مطابق ہے تو پھر یہ ظنی نہیں رہتا اس میں قوت آ جاتی ہے۔

بہرحال پاکستان مشکل حالات میں ہے۔ ان مشکل حالات کی سائنسی وجوہات و اسباب سے کوئی انکار نہیں ہے۔ زلزلہ ایک سائنسی سبب سے واقع ہوتا ہے لیکن سبب کوئی بھی ہو یہ ہوتا تو عذاب ہی ہے۔ اسی طرح سیلاب کے ظاہری اسباب تو سائنسی ہوتے ہیں لیکن یہ اپنے نتائج و عواقب اور اصل کے لحاظ سے تو ایک ہولناک عذاب ہی ہے۔ ہم تو آرام سے بیٹھے ہیں ہمیں پتا نہیں چل رہا لیکن جن پہ گزر رہی ہے ان سے پوچھیں وہ کس مشکل میں ہیں، جو گلے تک پانی میں ڈوبے اپنا سامان سروں پہ اٹھا کر تیرتے ہوئے باہر نکل رہے ہیں، کسی کو بہن کا پتا نہیں، کسی کو بھائی کا پتا نہیں، کسی کو بیٹے کا پتا نہیں، کسی کو باپ کا پتا نہیں، ایک قیامت کا سا منظر ہے۔ ان مشکلات میں ہمیں ایک تو اجتماعی اور شعوری توبہ کرنی چاہیے اور صدقات کرنے چاہئیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان پریشان حال لوگوں کی مدد کرنی چاہیے۔

جب وبا آتی ہے یا عذاب آتا ہے تو اس میں نیک لوگ بھی رگڑے جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے۔ دنیا میں تو عذاب دونوں قسم کے لوگوں پہ آتا ہے لیکن آخرت میں نیک کو بد سے جدا کر دیا جائے گا۔ انہیں اس تکلیف پر اجر ملے گا، ان کے لئے یہ ایک غیر اختیاری مجاہدہ ہے۔ لیکن یاد رکھئے تکلیف سب پہ آ سکتی ہے، مشکلات سب پہ آ سکتی ہیں۔ ہم لوگوں کو اس وقت دل سے توبہ کرنی چاہیے۔ میں توبہ کے الفاظ دہراتا ہوں آپ میرے ساتھ الفاظ بولیں اور اس توبہ میں یہ عزم شامل کریں کہ آئندہ ہم واقعی گناہ

نہیں کریں گے بالخصوص جن گناہوں کا ذکر عذاب کے اسباب کے طور پہ آیا ہے ان سے تو ہم بالکل ہی توبہ کر لیں۔

"اے اللہ ہم توبہ کرتے ہیں تمام گناہوں سے بالخصوص جھوٹ سے، سود سے، رشوت سے ہر قسم کی فحاشی سے۔ اے اللہ ہماری توبہ قبول فرما لے۔ آئندہ کے لئے ان شاء اللہ ہم گناہ نہیں کریں گے۔ اگر غلطی سے ہوا تو فوراً توبہ کریں گے۔ اے اللہ ہمیں اپنی توبہ پر استقامت نصیب فرما دے۔ اے اللہ ہمارے ایمانوں کی حفاظت فرما دے۔ اے اللہ ہماری جانوں کی حفاظت فرما دے۔ اے اللہ ہمارے مالوں کی حفاظت فرما دے۔ ہماری اولادوں کی حفاظت فرما دے۔ کسی طریقے سے بھی ہم شیطان کے آلہ کار نہ بن جائیں اور اپنے نفس کے آلہ کار نہ بن جائیں۔ یا اللہ ہمیں افراط و تفریط سے بچا دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

تعلیمات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

آج اتوار کا دن ہے اتوار کے دن ہمارے ہاں مکتوبات شریف کا درس ہوتا ہے، آج کل ایک بہت ضروری عنوان چل رہا ہے کہ ہمارے عقائد کیسے ہونے چاہئیں۔ اس حوالے سے اس میں دو قسم کے مکتوبات شریف ہیں۔ ایک عقائد کا وہ بیان جو عوام کے لئے تھا جس میں بنیادی عقائد بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن کچھ ایسے عقائد ہوتے ہیں جن میں تصوف کے لحاظ سے بہت گہرائی میں جاتے ہیں، اس کے لئے بھی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادگان کی طرف خط لکھا تھا۔ چونکہ ان حضرات کے اشکالات ان کے علم اور مقام کے حساب سے تھے تو ان کو بڑی تفصیل کے ساتھ وہ چیزیں سمجھائی ہیں۔ تو یہ عقائد کا باب تقریباً چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس لحاظ سے اس میں کافی تفصیل کے ساتھ یہ چیزیں آئی ہیں اور چونکہ ہمیں مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کو ہر طبقۂ فکر تک پہنچانا ہے لہٰذا جو اشکالات صوفیاء کو ہوتے ہیں ان کا جو جواب حضرت نے دیا ہے وہ بھی بیان کرنا پڑے گا اور اس کے بعد ان شاء اللہ ہم کوشش کریں گے کہ اس پر ایک جامع کتاب چھاپ دی جائے جس میں حضرت کے بیان فرمودہ عقائد آجائیں تاکہ اس میں ہر قسم کی بات واضح ہو جائے۔ پچھلی دفعہ آٹھ عقیدے اس مکتوب شریف کے ہو چکے ہیں۔ آج نویں عقیدے سے ہم شروع کر رہے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں: (بقیہ مکتوب نمبر 266)

متن:

عقیدہ (9): جاننا چاہیے کہ تمام ممکنات۔

تشریح:

ممکنات ان چیزوں کو کہتے ہیں جو بعد میں پیدا ہوئی ہیں۔

متن:

تمام ممکنات خواہ جواہر ہوں یا اعراض، خواہ اجسام و عقول ہوں یا نفوس، افلاک ہوں

یا عناصر، سب اسی قادرِ مختار کے ایجاد کئے ہوئے ہیں ان کو جو یہاں خانۂ عدم سے معرض وجود میں لایا ہے، اور جس طرح یہ سب اپنے وجود میں اس تعالیٰ کے محتاج ہیں اسی طرح بقا (باقی رہنے) میں بھی اس سبحانہ کے محتاج ہیں۔

تشریح:

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پہ مکتوب نمبر 234 (دفتر اول حصہ دوم) میں بڑی تفصیل کے ساتھ بات فرمائی ہے۔ اور اس کے علاوہ بہت سے مکتوبات شریف میں بھی کہ اصل اللہ موجود اللہ پاک کی ذات ہے باقی جو بھی ہے وہ اصل میں عدم سے وجود میں آیا ہے، ان کی حقیقت عدم ہے۔ حقیقت اس کو کہتے ہیں جس سے وہ چیز آتی ہے، تمام چیزیں جو اللہ کے علاوہ ہیں ان کی اصل یہ ہے کہ وہ عدم سے وجود میں آئی ہیں اور عدم کی بنیاد شر اور فطرتاً نقص والا ہونا ہے، جب تک کہ اس کو دور نہ کیا جائے۔ ہم نفسِ امارہ کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں کیونکہ وہ فطرتاً شر ہے، تو اس شر کو دور کرنا پڑے گا یعنی نفسِ امارہ سے نفسِ مطمئنہ بنانا پڑے گا۔ یہ خود بخود نہیں بنتا جیسے خود بخود نیچے سے کوئی چیز اوپر نہیں جاتی **اِلَّا** یہ کہ کوئی ہائیڈروجن جیسی چیز ہو، عام طور پر چیزیں اوپر سے نیچے آتی ہیں، جیسے پانی ڈھلوان کی طرف جاتا ہے یہ اس کی فطرت ہے۔ اسی طریقے سے نفسِ امارہ کو بھی شر سے خیر کی طرف لانا پڑے گا۔

شر سے خیر کی طرف خود نہیں آتا البتہ خیر سے شر کی طرف خود بخود جاتا ہے۔ جیسے ہیلی کاپٹر کو ہوا میں اپنی جگہ پہ کھڑا ہونے کے لئے بھی پر ہلانے پڑتے ہیں ورنہ گر جائے گا۔ اسی طریقے سے شر سے بچنے کے لئے اور خیر پر قائم رہنے کے لئے بھی کام کرنا پڑتا ہے۔ یعنی آپ اس سے بے فکر نہیں ہو سکتے کہ بس ٹھیک ہے جی اب میں بزرگ بن گیا اب یہ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا، ایسا نہیں ہوتا بلکہ اپنے آپ کو ٹھیک رکھنے کے لئے بھی مسلسل محنت کرنی ہوتی ہے۔ ایک ہوتا ہے ٹھیک کرنا پھر ہوتا ہے اس کو ٹھیک رکھنا۔ تو خانۂ عدم سے ساری چیزیں معرض وجود میں آئی ہیں۔

متن:

خانۂ عدم سے معرض وجود میں لایا ہے، اور جس طرح یہ سب اپنے وجود میں اس تعالیٰ کے محتاج ہیں اسی طرح بقا (باقی رہنے) میں بھی اس سبحانہ کے محتاج ہیں۔

تشریح:

خالق بھی وہی ہے، قیوم بھی وہی ہے۔

متن:

اور اس نے اسباب و وسائل کے وجود کو اپنے فعل کا روپوش بنا دیا ہے۔

تشریح:

یعنی اسباب و وسائل کے ذریعے اپنی قدرت کو چھپایا ہوا ہے۔ سامنے سبب سے ہوتا ہوا نظر آتا ہے لیکن پیچھے سے وہی کرتا ہے، سبب کے اندر کچھ نہیں ہے بلکہ سبب کے اندر وہی قوت ڈالتا ہے۔

متن:

اور حکمت کو اپنی قدرت کے پردے بنا دیا ہے۔

تشریح:

یعنی حکمت کو اللہ تعالیٰ نے پردے بنایا اور اس سے اپنی قدرت چھپا دی۔

متن:

یہی نہیں بلکہ اسباب کو اپنے فعل کے ثبوت کے دلائل قرار دے کر حکمت کو اپنی قدرت کے وجود کا وسیلہ فرمایا ہے۔

تشریح:

یعنی اسباب اللہ تعالیٰ کے فعل کے ثبوت کے طور پر ہیں، یعنی وہ سبب جب پیدا ہو گیا تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ پاک نے اس کو کر لیا یعنی سبب کا پیدا ہونا ہی اس کے کرنے کی نشاندہی ہے۔

متن:

حکمت کو اپنی قدرت کے وجود کا وسیلہ فرمایا ہے۔

تشریح:

حکمت گویا کہ قدرت کے پیچھے ہوتی ہے کہ جو کچھ اللہ پاک نے اپنی حکمت سے فیصلہ فرما دیا، اصل میں تو اس کے مطابق اپنی قدرت استعمال فرمائی کیونکہ قادر تو ساری

چیزوں پر ہے۔ مثلاً میں یہ کتاب اِدھر بھی رکھ سکتا ہوں، اُدھر بھی رکھ سکتا ہوں، لیکن میں نے اپنے سامنے رکھی ہے اس میں حکمت ہے کیونکہ میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ آپ ادھر نہیں رکھ سکتے؟ میں کہوں گا: رکھ سکتا ہوں لیکن رکھی نہیں کیونکہ حکمت اس میں ہے کہ سامنے رکھوں۔ جیسے اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے لیکن یہ اس کی حکمت نہیں ہے یہ صاف بات ہے کہ اس کی حکمت نہیں ہے۔

متن:

کیونکہ وہ عقلمند حضرات جنہوں نے حضرات انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت میں اپنی بصیرت کو سرمگیں اور روشن کر لیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اسباب و وسائل اپنے وجود و بقا میں اس سبحانہ کے محتاج ہیں اور اپنا ثبوت و قیام اسی تعالیٰ و تقدس سے اور اسی کے ساتھ رکھتے ہیں۔

تشریح:

یعنی جن لوگوں کو اللہ پاک نے بصیرت کی دولت سے نوازا ہے وہ جانتے ہیں کہ جتنے بھی اسباب و وسائل ہیں وہ بھی تب موجود اور باقی ہیں کہ اللہ جل شانہ نے ان کو وجود اور بقا بخشی ہے۔ میاں بیوی کے ملنے سے بچے پیدا ہوتے ہیں تو اس قانون کو اللہ نے باقی رکھا ہوا ہے اگر ختم کر دے تو پھر ایسا نہیں ہو گا۔ جب بھی اللہ پاک ارادہ کر لیں کہ یہ نہ ہو تو اس کے لئے کوئی سبب بنا لیتے ہیں اور وہ پھر نہیں ہوتا۔

لیکن جب اللہ تعالی اس کی بقا نہیں چاہتا تو کوئی ایسا جرثومہ پیدا کر دیتا ہے جو خود سے زندہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اپنا وجود برقرار رکھ سکتا ہے بلکہ کوئی اسے لے آتا ہے خود سے نہیں آتا اور نہ ہی آ سکتا ہے۔ پھر جب زندہ خلیے سے مل جاتا ہے تو ان کا آپس میں رابطہ ہو جاتا ہے اور اسی قسم کے جرثومے بنانا شروع کر دیتا ہے تو وہی زندہ خلیہ جو بقا کے لیے ہوتا ہے وہ تباہی کا باعث بن جاتا ہے، اللہ تعالی کا قانون ہے۔ اللہ تعالی نے بنا دیا کوئی کچھ نہیں کر سکتا، بڑے بڑے ڈاکٹر حیران و سرگرداں اور پریشان رہ جاتے ہیں۔

نمرود کو تو ایک لنگڑے مچھر نے مارا تھا جو زندہ تھا لیکن کرونا وائرس کون سی چیز ہے؟ یہ تو زندہ بھی نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے خود سے آتا بھی نہیں بلکہ لایا جاتا ہے۔ جتنی بھی احتیاطی تدابیر ہیں یہ صرف اس کے لانے سے ممانعت کے

لئے اسباب ہیں اس وجہ سے ان اسباب کی قدر کرنی چاہیے، ناقدری نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اللہ پاک نے اسباب کو پیدا کیا ہے تو ان اسباب کی قدر کرنی پڑے گی، یہ صرف اور صرف اس کو لانے سے روکنے کے لئے ہیں۔ فاصلہ رکھو اس لئے کہ اگر چھینکے یا کوئی کھانسے تو آپ تک اس کا مواد نہ پہنچے اور کمال کی بات یہ ہے کہ جس کو یہ سلسلہ شروع ہو چکا ہو ضروری نہیں کہ اس پر علامات بھی ظاہر ہوں بلکہ پہلے بھی ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اندر جراثیم پیدا ہونا شروع ہو گیا ہے لیکن ابھی علامات تک نہیں پہنچا مثلاً کھانسی نہیں شروع ہوئی، بخار شروع نہیں ہوا لیکن جراثیم پیدا ہونا شروع ہو گیا ہے۔ اب کوئی آپ کے قریب ہے اور وہ کھانستا ہے یا چھینکتا ہے، کسی اور وجہ سے بھی بے شک چھینکے ضروری نہیں کہ اسی وجہ سے چھینکے، مثلاً گلے میں کوئی چیز پھنس گئی ہو اور کھانسی آ گئی لیکن جراثیم پیدا ہونا شروع ہو گیا ہے تو آپ کے پاس اُڑ کے آ سکتا ہے۔ اس لئے کہتے ہیں: "فاصلہ رکھیں" تاکہ اس کا سبب نہ بنے۔

موت اور زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور زہر موت کے لئے ایک وسیلہ ہے تو کیا کوئی زہر خود کھاتا ہے؟ کیونکہ لوگوں کو مرتے دیکھا ہوتا ہے زہر سے۔ کہتا ہے کہ ٹھیک ہے اللہ ہی سب کچھ کرتا ہے لیکن اللہ نے جب ایک قانون بنایا ہے تو ہمیں اس کا خیال کرنا ہے اور ہم زہر نہیں کھائیں گے۔ تو جس طرح زہر سے لوگ بچتے ہیں اسی طرح جراثیم سے بھی بچنا چاہیے، یہ کیسا توکل آ گیا کہ بس ٹھیک ہے جی ہم نہیں ڈرتے۔

آپ ﷺ سے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ کیا اونٹ کے گھٹنے کو باندھ کر توکل کریں یا کھلا چھوڑ کے توکل کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اونٹ کے گھٹنے کو باندھ کر توکل کرو۔ یعنی دونوں چیزیں جمع کرو سبب کو بھی اور توکل کو بھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا جو قرآن کی نص ہے کہ اے میرے بیٹو! مصر میں پہنچ کے مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ کیونکہ بارہ بیٹے تھے تو نظر لگنے کا اندیشہ تھا، اور پھر ساتھ ہی فرمایا: ہو گا تو وہی جو اللہ چاہے گا۔ اگر اللہ پاک کو منظور یہی ہو گا کہ تم لوگوں میں سے کسی کو نظر لگ ہی جائے تو بے شک کچھ بھی ہو جائے اس کے اسباب بن جائیں گے۔ یعقوب علیہ السلام نے سبب اور توکل دونوں کو جمع کر لیا، یہ ہے بصیرتِ نبوی۔ ہمارا توکل کچا توکل ہے ہم لوگ اپنی سوچ کے توکل پہ چلتے ہیں، سوچ والی بات یہاں نہیں چلتی، اللہ

کی حکمت کو دیکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کس چیز میں ہے، اس کی منشا کیا ہے؟ اس کی منشا کے مطابق چلنا ہے۔

مولانا تقی عثمانی صاحب سے آپ لوگوں کا توکل زیادہ ہے؟ وہ کرونا کی وبا کے دنوں میں مسجد نماز پڑھنے نہیں جاتے حالانکہ مسجد ان سے دو منٹ کے فاصلے پر تھی۔ تو کیا ہمارا توکل ان سے زیادہ ہے؟ یہ قوانین طبعی ہیں، اللہ پاک نے بنائے ہیں، ان قوانین کا احترام کرنا چاہیے۔

طاعون جس شہر میں تھا تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے واپس ہوئے، وہاں داخل نہیں ہوئے تو جو صحابہ اندر تھے انہوں نے کہا کہ آپ تقدیر سے کیوں بھاگ رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف جارہا ہوں۔ یعنی جہاں میں جارہا ہوں وہاں بھی میری تقدیر ہی ہو گی، اسباب تو میں نے وہی اختیار کرنے ہیں جو مجھے نظر آرہے ہیں باقی تقدیر کی طرف ہی جارہا ہوں۔ ایک آدمی موت سے بھاگ رہا ہے اور بھاگتے بھاگتے گاڑی کے نیچے آجاتا ہے، وہ موت کی طرف ہی بھاگ رہا تھا لیکن وہ مجرم نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے خیال میں خود کو نہیں مار رہا تھا بلکہ اس کا وقت پورا ہو گیا تھا۔ اسی طریقے سے ہم بھی کوشش کریں گے باقی فیصلہ جو اللہ کا ہو گا وہی نافذ ہو گا اس کے آگے کوئی کچھ کر نہیں سکتا۔ اللہ پاک ہی سب چیزوں پر قادر ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (البقرۃ: 20) حکمت کو اپنی قدرت کے پردے بنا دیا، حکمت اللہ تعالیٰ کی جو اس چیز میں ہے تو اس کے مطابق ہی بات چلتی ہے۔

متن:

ورنہ حقیقت میں وہ جمادِ محض ہیں۔

تشریح:

کچھ بھی نہیں کر سکتے کیونکہ جمادِ محض ہیں، کم از کم یہ جراثیم تو جمادِ محض ہے، پوری دنیا کو تگنی کا ناچ نچا دیا ہے۔

متن:

وہ کس طرح دوسرے میں جو وہ بھی ان کے مثل (جماد) ہے اثر انداز ہو سکتے ہیں،

اور ان میں احداث و اختراع کس طرح کر سکتے ہیں (ہر گز نہیں) بلکہ ان کے علاوہ اور قادر ہے جو ان کو ایجاد کرتا ہے اور ہر ایک کے لائق و مناسب کمالات ان کو عطا فرماتا ہے جیسا کہ عقلمند آدمی جماد محض سے فعل کو دیکھ کر اس کے فاعل اور محرک کا سراغ لگا لیتے ہیں۔

تشریح:

سبحان اللہ! کیا خوبصورت بات کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کائنات میں جتنی بھی چیزیں ہیں، اپنی صلاحیتوں، اثر پذیری نیز ان چیزوں کے باہم اختلاط سے جو کمالات پیدا ہوتے ہیں وہ سب ایک فاعل (خالق حقیقی) کے پیدا کردہ اور محتاج ہیں، سائنس نے بھی اپنے اصول انہیں بنیادوں پر واضح کئے ہیں، جیسے نیوٹن کا قانون ہے کہ اگر کوئی چیز کھڑی ہے پھر چل پڑے، ثابت ہوا کہ کسی چیز نے اس کو چلایا ہے۔ پھر اس کو ڈھونڈتے ہیں کہ کس چیز نے اس کو چلایا۔ تلاش کے بعد مل جاتی ہے اسی طرح کوئی چیز جب کھڑی ہو تو وہ کھڑی رہے گی جب تک اس کو کوئی چلائے نہیں اور جو چلتی ہے تو وہ چلتی رہے گی جب تک اس کو کوئی روکے نہیں۔ اس سے پھر اندازہ لگا لیتے ہیں کہ کس کا فعل ہو سکتا ہے؟ گویا کہ ایک کارخانہ جو چل رہا ہے آخر کسی فاعل کا کام ہے، کوئی فاعلِ حقیقی ہے جو اس تمام کارخانۂ قدرت کو چلا رہا ہے، خود بخود یہ چیزیں نہیں چل سکتیں۔

متن:

کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ فعل اس (جماد) کے حال کے لائق نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور فاعل ہے جو اس فعل کو اس میں ایجاد کرتا ہے، لہذا عقلمندوں کے نزدیک جماد کا فعل، فاعل حقیقی کے فعل کا روپوش ہونا ثابت نہیں ہوا۔

تشریح:

عقلمند لوگ جماد کے فعل کو نہیں سمجھتے جیسے ایک اینٹ دوسری اینٹ کے اوپر گر گئی اور اس نے پہلی اینٹ کو گرا دیا۔ پہلی اینٹ بھی جماد ہے اور دوسری بھی جماد ہے، پھر تحقیق کرتے ہیں کہ وہ کون سی چیز ہے جس نے اس کو گرایا ہے تو کسی حرکت کرنے والی چیز نے گرایا ہو گا، کسی زور والی چیز نے گرایا ہو گا۔ حرکت والی چیز مثال کے طور پر پانی ہو سکتا ہے یا ہوا ہو سکتی ہے، تو ہوا بھی کسی وجہ سے چل رہی ہوتی ہے اور پانی بھی

کسی وجہ سے آ رہا ہوتا ہے۔ پھر اس کی تحقیق کرتے ہیں اور اس طرح تحقیق کرتے چلے جاتے ہیں اور آخر میں بات اللہ تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ سبب اور مسبب کی بات چل رہی ہوتی ہے۔یہی سائنس ہے بس فرق صرف یہ ہے کہ ہماری سائنس آدھی اندھی ہے اور آدھی بینا ہے۔ جتنا نظر آتا ہے اس میں غور کرتی ہے اور جو نظر نہیں آتا اس میں غور نہیں کرتی وہاں اندھی ہو جاتی ہے، سوچتی نہیں ہے، سوچنے والا کام اس کا بند ہو جاتا ہے، دیگر چیزوں میں سوچتی ہے لیکن اس بارے میں نہیں سوچے گی۔

حضرت نے فرمایا کہ عقلمند جو ہوتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ یہ تو جماد ہے، یہ خود کچھ نہیں کر سکتا یعنی کسی چیز نے اس کو چلایا ہوا ہے اور وہ اللہ ہی ہو سکتا ہے۔

متن:

پس یہاں بھی اسی طرح ہے، البتہ اس بے وقوف کے فہم میں جماد کا فعل فاعلِ حقیقی کے فعل کا روپوش بن گیا۔

تشریح:

جو بے وقوف ہوتا ہے وہ ہر کام کو جماد کا فعل سمجھتا ہے۔ مثال کے طور پر ہوا بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے جماد ہے، تو اگر میں کہوں کہ ہوا نے ایسا کر دیا اور اس سے آگے نہ سوچوں کہ ہوا کو کس نے چلایا ہوا ہے۔ چنانچہ جو بے وقوف ہوتا ہے وہ اس سوچ پہ ہی رک جاتا ہے جبکہ عقلمند آخر تک پہنچ جاتا ہے۔

متن:

جس نے اپنی حد درجہ بے وقوفی کی وجہ سے جماد محض کو اس ظاہری فعل کے سبب صاحب قدرت جان لیا ہے اور فاعل حقیقی کا منکر ہو گیا ہے: ﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا﴾ (البقرۃ: 26) "گمراہ کرتا ہے اس سے بہت لوگوں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہت لوگوں کو"۔

تشریح:

یہ دہریوں کی بات کر رہے ہیں۔ دہریے کہتے ہیں کائنات کا نظام خود بخود بن گیا ہے۔ نیوٹن عیسائی سائنس دان تھا، عیسائی بھی اللہ کو مانتے ہیں، اس کا ایک دوست دہریہ

تھا، فزکس میں بہت سارے دہریے ہوتے ہیں وہ بھی فزکس کا ماہر تھا۔ وہ اس کے پاس آیا تو دیکھا کہ اس کے پاس لکڑی کا بنا ہوا نظام شمسی کا ایک خوبصورت ماڈل پڑا ہوا تھا جس میں سورج اور پھر اس کے ارد گرد عطارد، پھر زہرہ، پھر زمین، پھر مریخ، پھر مشتری، پھر جتنے بھی ستارے ہیں، اس کے مطابق بنے ہوئے تھے، جس سے وہ اپنے طالب علموں کو سکھاتا تھا۔ دہریہ سائنس دان نے اس سے کہا کہ یہ آپ نے کس سے بنوایا ہے؟ نیوٹن نے بے خیالی اور لا پروائی سے کہہ دیا خود سے بنا ہے۔ وہ سمجھا کہ شاید یہ بات پوری طرح نہیں سمجھا اور بولا: اس نظام شمسی کے ماڈل کے بارے میں پوچھ رہا ہوں کہ یہ کس نے بنایا؟ کہا: خود سے بنا ہے تمہیں کہہ تو دیا۔ اس نے کہا: بھئی میں ایک سنجیدہ بات کر رہا ہوں گپ نہیں لگا رہا، میں ایک ایسا ہی ماڈل اپنے طالبعلوں کو سکھانے کے لئے بنوانا چاہتا ہوں، تو نیوٹن نے کہا: میں صاف بات کہہ رہا ہوں کہ یہ خود سے بنا ہے، میرے صاف الفاظ کیوں سمجھ نہیں آ رہے آپ کو؟ اس نے کہا: میرے ساتھ مذاق کر رہے ہیں؟ نیوٹن نے جواب دیا: میں مذاق نہیں کر رہا، جب آپ اصل نظام شمسی کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ خود سے بنا ہے جیسے سورج، سیارے وغیرہ تو یہ تو پھر ایک ماڈل ہے جو اس کی نقل ہے یہ خود سے کیوں نہیں بن سکتا؟ یہ اس کو الزامی جواب دیا اور صحیح جواب ہے۔

یہی بات حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کی تھی جب ان کا ایک دہریے سے مناظرہ ہوا تھا تو امام صاحب ذرا دیر سے پہنچے۔ دہریہ کہنے لگا: آپ ان کو اپنا اتنا بڑا امام کہتے ہیں کہ ایسا ہے اور ویسا ہے جبکہ ان کو اتنا نہیں پتا کہ وقت پہ پہنچنا چاہیے۔ امام صاحب سے پوچھا: آپ کیوں دیر سے پہنچے؟ وقت تو طے تھا۔ انہوں نے کہا: میں دریا کے کنارے ہی کھڑا تھا کہ میں کس طرح جاؤں؟ کوئی کشتی وغیرہ کا بند و بست نہیں تھا تو دیکھا کہ ایک درخت کٹ گیا اور اس سے تختے بن گئے، پھر تختے آپس میں جڑتے گئے، پھر دیکھتے ہی دیکھتے کشتی بن گئی اور اس کشتی میں بیٹھ کے میں آ گیا، اس میں کچھ وقت تو لگتا ہے۔ دھریے نے کہا: یہ آپ لوگوں کا کیسا امام ہے جو اس طرح کی باتیں کرتا ہے۔ امام صاحب نے کہا: بھئی آپ ہی کی بات کر رہا ہوں، آپ کہتے ہیں یہ سارا کچھ خود سے بنا ہوا ہے تو اگر سارا کچھ خود سے بن سکتا ہے تو کشتی خود سے کیوں نہیں بن سکتی؟

یہ الزامی دلیل ہے۔ بعض دفعہ الزامی دلیل زیادہ کام کی ہوتی ہے۔ یہ خاموش کرا

دینے والی دلیل ہوتی ہے۔

متن:

یہ معرفت "مشکوٰۃ نبوت" سے مقتبس ہے۔

تشریح:

مشکوٰۃ یعنی چراغ۔ معرفت نبوت کے چراغ سے روشن ہے۔

متن:

لیکن ہر شخص کی فہم اس تک نہیں پہنچی۔ ایک جماعت اس کمال کو اسباب کے دور کرنے میں جانتی ہے اور شروع ہی سے چیزوں کو بغیر اسباب کے توسط کے حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف منسوب کرتی ہے اور نہیں جانتی کہ اسباب کے رفع کرنے میں حکمت ختم ہو جاتی ہے جس کے ضمن میں بہت سی مصلحتیں مدِ نظر ہیں۔

تشریح:

کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ بس سب کچھ اللہ کرتے ہیں تو اس میں اسباب کی ضرورت ہی کیا ہے؟ حضرت فرماتے ہیں: اس میں اللہ پاک کی ایک صفت "حکیم ہونا" چھپ جاتا ہے اور اللہ پاک کی صفت حکیم ہونے کو بھی ماننا پڑتا ہے کیونکہ اللہ پاک کا اسمِ صفت ہے اس کو ماننا پڑتا ہے، ہمارا اس پر بھی ایمان ہے، اس کو ظاہر کرنے کے لئے اللہ پاک نے اسباب بنائے ہوئے ہیں، تو اسباب کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔

اصل میں پھر جبری عقیدے کی طرف بات چلی جاتی ہے جب اسباب کو ختم کیا جاتا ہے۔ تو حضرت بہت گہرائی میں سوچ رہے ہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ہر چیز کے اندر حکمت ہے اور حکمت کے مطابق سب کچھ ہوتا ہے۔

متن:

جس کے ضمن میں بہت سی مصلحتیں مد نظر ہیں:

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ (آل عمران: 191) "اے ہمارے رب! تو نے یہ سب بیکار اور بے فائدہ پیدا نہیں کیا"۔

تشریح:

﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ﴾ (آل عمران: 190) وہی حکمت والی بات ہے ﴿اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ﴾ (آل عمران: 191) وہ حکمت ان پہ کھلے گی جو ذکر فکر والے ہوں گے، جو حکمت والے اور جاننے والے عقلمند ہیں۔ سائنس دانوں کا نہیں، سائنس دان بیچارہ تو راستے میں رہ جاتا ہے۔

کارواں تھک کر فضا کے پیچ و خم میں رہ گیا
مہر و ماہ و مشتری کو ہم عناں سمجھا تھا میں

سائنس تو ان ہی چیزوں میں رہ جاتی ہے، آگے پیچھے نہیں ہوتی۔ جو مصلحتیں ہیں اللہ تعالیٰ کی اس مسئلے میں ہیں وہ اسباب سے نظر آتی ہیں۔

متن:

انبیاء علیهم الصلوات و التسلیمات بھی اسباب کی رعایت کرتے ہیں۔

تشریح:

بلکہ اتنی رعایت کرتے ہیں کہ انسان حیران ہو جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا نزول کامل ہوتا ہے، نزول کا مطلب یہ ہے کہ بہت نیچے آ جاتے ہیں تو ساری چیزیں ان کو نظر آتی ہیں پھر ہر چیز کی تفصیل نظر آتی ہے۔ چھوٹے بچے جو ابھی چلنا پھرنا سیکھ رہے ہوتے ہیں تو زمین پر ایک باریک سی چیز کو دیکھ لیتے ہیں جبکہ ہمیں نظر نہیں آتی کیونکہ ہم اس سے دور ہوتے ہیں اور وہ اس کو پکڑ لیتے ہیں۔ کوئی کیڑا ہو یا کوئی اور چیز ہو تو آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ بھئی یہ کیا کرتے ہیں؟ لیکن وہ ان کے قریب ہوتے ہیں اور ان کی نظر بھی تیز ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو زیادہ نزول والے ہوتے ہیں وہ زیادہ اسباب کی رعایت کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کرامات بھی زیادہ تر عروج کے وقت ہوتی ہیں، نزول کے وقت نہیں ہوتیں۔ جب نزول پہ انسان آ جاتا ہے تو پھر کرامات نہیں ہوتیں پھر اسباب کے مطابق سارے کام کر رہے ہوتے ہیں۔

متن:

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات بھی اسباب کی رعایت کرتے ہیں اور (با وجود اس رعایت کے) اپنے کام کو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی مراعات سے جانتے ہیں جیسا کہ حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے نظر بد لگ جانے کے خیال سے اپنے لڑکوں کو وصیت فرمائی تھی ﴿وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ﴾ (یوسف:27) "اے میرے بیٹو! تم ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا بلکہ متفرق دروازوں سے داخل ہونا۔" اور (حضرت یعقوب علیہ السلام نے) اس احتیاطی تدبیر کی رعایت کے باوجود اپنے حکم کو جل سلطانہ کے سپرد کرکے فرمایا: ﴿وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ (یوسف: 67) "میں تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ بھی نہیں بچا سکتا۔ بیشک حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اسی پر میں نے توکل (بھروسہ) کیا اور اسی پر توکل کرنے والوں کو توکل کرنا چاہیے"۔

تشریح:

اس سے ہمیں پتا چلا کہ جراثیم سے بچنے کے تمام اسباب اختیار کرے، لیکن جو اللہ نے کرنا ہو گا وہ تو ہو گا یعنی اس میں یہی نتیجہ آپ نکال سکتے ہیں۔ ایک صاحب کرونا کی وبا میں بھی مسجد جانا چاہتے تھے، ہمارے ساتھ تھے تو میں نے کہا کہ بھئی ایسا مت کریں۔ لیکن ان کو بات سمجھ نہیں آئی میں اس کو روکنا چاہتا تھا لیکن نہیں روک سکا کیونکہ نماز کا مسئلہ تھا نماز کا مسئلہ تو کافی نازک مسئلہ ہے تو استخارہ کیا، استخارہ میں اتنی واضح ہدایات ہیں کہ میرے لئے معاملہ بالکل صاف ہو گیا، میں حیران ہو گیا۔ فرمایا گیا: اجتماعی چیزوں کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ایک آدمی کی بے احتیاطی باقی لوگوں کو پریشان کر سکتی ہے۔ تو جب نماز کے لئے گنجائش موجود ہے، پھر تو کسی طریقے سے باہر جانے کی گنجائش نہیں۔ اب اس سے زیادہ واضح بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ پتا چل گیا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انتظامات ایسے ہیں جس میں اللہ کی کوئی حکمت ہو گی، ہم لوگ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن اللہ کی حکمتوں کے مقابلے میں ہماری سوچ کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم لوگ اس میں سیکھ رہے ہیں یہ ہمارے سیکھنے کا میدان ہے اور بہت ساری چیزیں واضح ہو رہی ہیں۔

بعض حضرات کو بتایا گیا کہ اس میں کافروں کے لئے عذاب ہے اور مسلمانوں کے

لئے خیر ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ مسلمانوں کے لئے اس میں کیا خیر ہو گی؟ تو ایک بات دل پہ آئی کہ اس میں مسلمان سیکھ رہے ہیں۔ مسلمانوں کو نقصان بھی کم ہوا ہے باقی لوگوں کے مقابلے میں امریکہ، برطانیہ، اٹلی وغیرہ میں بہت زیادہ نقصان ہوا ہے۔یہاں تو الحمد للہ اللہ کا بہت فضل ہے۔ اب یہ اسباب والی باتیں عملی طور پر بہت واضح ہو رہی ہیں، تو کچھ چیزوں کے ساتھ کچھ چیزوں کو حاصل کیا جاتا ہے، تناؤ اور پریشانی ضرور ہے لیکن اس پریشانی کے ذریعے سے ہمیں کچھ مل رہا ہے اس وجہ سے اس پہ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور یہ جو مل رہا ہے یہ بھی اپنے بزرگوں کی برکت سے ہے ورنہ لوگ ذہنی دباؤ کا شکار ہو رہے ہیں، بیمار ہو رہے ہیں۔ ہم بھی انسان ہیں، کمزور ہیں، کوئی طاقت ور لوگ نہیں ہیں لیکن چونکہ بزرگوں کی تعلیمات کے زیرِ سایہ الحمد للہ یہ سارا نظام چل رہا ہے تو وقت پر ساری چیزوں کا پتا چل گیا۔ جب یہ سلسلہ شروع ہوا تو میں نے فوراً کہہ دیا: مولانا تقی عثمانی صاحب سے میں زیادہ عالم نہیں ہوں جو فیصلہ ان کا ہو گا وہی میرا فیصلہ بھی ہو گا۔ تو کچھ لوگوں نے اس وقت نہیں مانا لیکن اب مان رہے ہیں۔ فارسی کی ضرب المثل ہے: ہر کہ دانا کند، کند ناداں، لیک بعد از خرابیٔ بسیار "جو دانا کرتا ہے، نادان بھی بعد میں وہی کرتا ہے لیکن بہت ساری خرابی اٹھانے کے بعد۔" ایک صاحب نے میرے ساتھ ہاتھ ملانا چاہا، میں نے کہا: مولانا تقی عثمانی صاحب نے فتویٰ دیا ہے کہ ہاتھ نہ ملائیں۔ کہتے ہیں: اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ میں نے گھر کی چابی گھمائی اور گھر کے اندر چلا گیا اور سوچا کہ ان سے بات کرنا فضول ہے ﴿وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ (الفرقان: 63) کیوں کہ ایسے لوگوں کے ساتھ بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں حقائق ماننے چاہئیں کہ کرتا تو اللہ ہے، اسباب اللہ نے بنائے ہیں، اسباب کا خیال رکھو لیکن نظر اللہ پہ رکھو۔

بر توکل زانوے اشتر بہ بند
گفت پیغمبر بہ آواز بلند

پیغمبر نے بآوازِ بلند کہا کہ اپنے اونٹ کے گھٹنوں کو باندھ کر توکل کرو۔ ایک موقع پہ حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ توکل تو ایک بچہ بھی کر سکتا ہے کہ جیب میں کچھ نہیں اور کہتا ہے اللہ کرتا ہے۔ اصل توکل تو یہ ہے کہ بینک بھرے ہوں پھر بھی کہے: اللہ کرتا ہے۔ انسان کو اسباب اختیار کرنے چاہئیں، اس کے بعد وہی حکم جو

اللہ کا ہے اسی پہ عمل کرنا چاہیے اور یہی سنت ہے۔

متن:

اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان کی اس معرفت کو پسند فرما کر اس بات کو اپنی طرف منسوب کر کے فرمایا: ﴿وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (یوسف: 68)۔

تشریح:

یعنی کیسے تائید فرمائی ہے اللہ پاک نے۔

متن:

(اور وہ (حضرت یعقوب علیہ السلام) بیشک بہت ہی صاحب علم تھے اس لئے کہ ہم نے ان کو اپنے پاس سے علم سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے)۔

تشریح:

پتا چلا کہ جو نہیں جانتے وہ نہ جاننے والوں میں شامل ہیں اور جو جانتے ہیں وہ عقلمندوں میں شامل ہیں کیوں کہ دو ہی قسم کے لوگ ہیں، جو ان چیزوں کو جانتے ہیں وہ عقلمند ہیں اور جو نہیں جانتے تو وہ عقلمند نہیں ہیں۔

متن:

اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اسباب کے واسطہ کا اشارہ فرمایا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الأنفال: 64) "اے نبی! آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ مومنین بھی جو آپ کی اتباع کرتے ہیں"۔ باقی رہا یہ کہ اسباب کی تاثیر روا ہے کیونکہ بعض اوقات حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اسباب میں بھی تاثیر فرما دیتا ہے تا کہ وہ موثر ہو جائیں، اور بعض اوقات ان میں تاثیر پیدا نہیں فرماتا۔ لہذا ناچار ان کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہم (روز مرہ) اسباب میں اس حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ کبھی ان اسباب پر مسببات کا وجود مرتب ہوتا ہے اور کبھی کوئی اثر ان سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اسباب کی تاثیر سے مطلقاً انکار کرنا لغو و باطل ہے۔ تاثیر کو ماننا چاہیے لیکن اس تاثیر کو بھی اس کے سبب کی طرح

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی ایجاد سے جاننا چاہیے۔ فقیر کی رائے اس مسئلہ میں یہی ہے،
"وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ" "جیسا کہ اللہ سبحانہ نے الہام فرمایا۔"

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ اسباب کا واسطہ توکل کے منافی نہیں ہے جیسا کہ ناقصوں نے خیال کیا ہے بلکہ اسباب میں توسط کا خیال کرنا "کمالِ توکل" ہے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علی نبینا و علیہ الصلوۃ و السلام نے اسباب کو مد نظر رکھتے ہوئے معاملہ کو حق جل و علا کے سپرد کرنے کو توکل فرمایا ﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ "اسی پر میں نے توکل کیا اور اسی پر توکل کرنے والوں کو توکل (بھروسہ) کرنا چاہیے۔"

تشریح:

ان شاء اللہ ان چیزوں کو ہم بیان کریں گے اور یہ بہت اہم ہے۔ یہ مکتوب بہت پہلے لکھے گئے ہیں لیکن ہمارے آج کل کے دور کے مسائل بیان کر رہے ہیں، اور پھر ان کا ذکر اسی وقت ہی آ جانا، یہ بھی تو اللہ پاک کا فضل ہے کہ اس کی ہمیں جب ضرورت تھی تو اللہ پاک اسی وقت ہی ماشاء اللہ یہ ساری چیزیں آگے پیچھے کر کے ہمارے سامنے لے آئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

مقامات قطبیہ و مقالات قدسیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے مولانا عبد الحلیم صاحب کی کتاب مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ کی تعلیم جاری ہے۔ حضرت نے شریعت و طریقت کے بارے میں کچھ اشعار لکھے ہیں۔

متن:

(1)

بیت

تا خاطرت مسخر طبع و ہوا بود
جانت اسیر رنج و بلا مبتلا بود

(2)

ہرگز بسوئے صحبت بیگانہ نکند التفات
ہر کس کہ دریں منزل و رہ آشنا بود

(3)

بر طبع و نفس پا نبہ از خواہی اے عزیز
تا بر سر تو سایہء لطف خدا بود

(4)

ایمن مباش خواجہ و نومید ہم مشو
کاسلام درمیان خوف و رجا بود

(5)

زنہار بر بقا مکن اے خواجہ اعتماد
از بہر آنکہ عاقبت او فنا بود

(6)

در پنج روز عمر کہ بر شارع فناست
آن کن کہ در طریق شریعت روا بود

(7)

از خوف جان من بلب رسید اے عزیز
تا بازگشت من بقیامت کجا بود

ترجمہ:

(شعر۔1)

جب تک تمہارا دل خواہش اور لالچ رکھتا ہو، تو تمہاری روح رنج اور مصیبت میں گرفتار ہو گی۔

(شعر۔2)

جو شخص کہ اس منزل اور راہ سے واقف ہو وہ بے گانوں کی محبت کی جانب التفات نہیں کرتا۔

(شعر۔3)

اگر تو چاہتا ہے کہ تمہارے سر پر اللہ تعالیٰ کے لطف کا سایہ رہے، تو اپنی خواہش اور نفس کو پاؤں کے نیچے مسل دو۔

(شعر۔4)

اے بھائی بے پرواہ اور امن میں نہ رہ، اور نا امید بھی نہ ہو۔ کیونکہ اسلام خوف اور امید کے درمیان ہے۔

(شعر۔5)

اے برادر اس بقا اور زندگی پر اعتماد نہ کر کیونکہ اس کا انجام فنا ہوتا ہے۔

(شعر۔6)

اس پانچ دن کی زندگی میں جو کہ فنا کے راستے پر ہے، وہی کچھ کر جو کہ شریعت میں جائز ہو۔

(شعر۔7)

مارے خوف کے میری روح میرے ہونٹوں تک آگئی ہے کہ قیامت کے دن میرا ٹھکانہ کہاں ہو گا۔

الغرض اے میرے پیارے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو کہ عبادت کرتے ہوں گے، اور وہ طاعت اُن کے حق میں معصیت ہو گی اور طالب مولیٰ کے بہت سے گناہ عبادت سے بہتر ہوں گے۔ اور یہ معنی اہل دل حضرات کے نزدیک مسلمہ بات ہے کہ ہر عبادت جو تیرے فخر و غرور کا سبب ہو وہ عبادت عین معصیت ہے۔ اور جو معصیت جس کا تو اعتراف اور عذر کرے حقیقت میں وہ معصیت تیرے لئے اطاعت سے زیادہ مفید ہے۔ یعنی اے میرے پیارے، جب تمہیں آثار اور حالات امن میں نظر آئیں۔ اور اعمال، اخلاق بشری کے سبب درندوں اور شیاطین کی مانند محسوس ہوں، تو ان اعمال و آثار وغیرہ کو اچھی طرح غور و فکر اور سوچ بچار سے دیکھو۔ تاکہ تجھے معلوم ہو کہ اکثر عبادتیں اور طاعات جو کہ عام لوگ اور زمانے کے شیوخ رسم و رواج کے طور پر کرتے ہیں، یہ تمام بے سعادتی کے نشانیاں ہیں۔ اگرچہ ان کی شکل و صورت دینی ہوتی ہے۔ پس اگر ان سب کو عدل کے میزان میں رکھا جائے، تو اس کے حق میں یہ آیت مبارک نازل ہوئی ہے ﴿وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ﴾ (الزمر: 47) "اور ان پر خدا کی طرف سے وہ امر ظاہر ہو جائے گا، جس کا ان کو خیال بھی نہ تھا۔" یعنی ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے قیامت کے میدان میں جو کچھ کہ ان کے خیال میں اچھا معلوم ہوتا تھا، وہ خلاف توقع برا معلوم ہو جائے گا۔

تشریح:

اللہ جل شانہ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے: ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۗ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ﴾ (العنکبوت: 45) "بے شک نماز بے حیائی کی باتوں سے اور منکرات سے روکنے والی ہے اور اللہ کا ذکر تو بڑی چیز ہے" اگر ہم نمازیں پڑھتے ہوں اور ساتھ ساتھ ہماری فحاشی اور منکرات ختم نہ ہوتے ہوں تو ہمیں فکر مند ہونا چاہیے کہ ہماری نماز کس درجے کی ہے؟ آیا وہ نماز قبول نمازوں میں سے ہے یا اس کے اوپر محنت کرنی چاہیے، جیسے ایک درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اگر کوئی درخت صحیح پھل نہیں

دے رہا تو اس کو اس پھل کا درخت نہیں کہا جا سکے گا، وہ کوئی اور ہی چیز ہو گی۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم لوگ جو عبادتیں کرتے ہیں اور عبادتوں کے جو آثار ہیں وہ ان اعمال کے اشارے ہوتے ہیں کہ آیا ہمارا عمل اس کے مطابق ہو رہا ہے یا نہیں؟ اگر اس کے مطابق عمل نہیں ہو رہا تو ہمیں اپنی عبادات کے اوپر محنت کرنی پڑے گی کیونکہ درمیان میں کچھ مسئلہ ہے۔

اسی طرح روزے کے بارے میں ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ: 183) "تمہارے اوپر رمضان شریف کے روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے پچھلوں کے اوپر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ حاصل کر لو" اب اگر ہمارے روزوں کے باوجود ہم میں تقویٰ نہیں آتا تو ہمارے روزوں کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے اور ان کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے۔ حج کرنے کے بعد انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھنی چاہیے اگر اس کے دل میں دنیا کی محبت بڑھ گئی تو اس کا حج پھر کس اشارے میں ہو گا؟ چنانچہ ہمارے اعمال کے آثار و نتائج ہوتے ہیں جن پر ہمیں نظر رکھنی چاہیے۔

متن:

اور طاعات جو کہ عام لوگ اور زمانے کے شیوخ رسم و رواج کے طور پر کرتے ہیں۔

تشریح:

ہمارا کام رسم و رواج کے طور پر ہے اور اس کی اصل صورت بگڑی ہوئی ہے۔ دوبارہ اس کے بارے میں ہمیں فکر کرنی پڑے گی۔ اصل میں مشائخ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں، بعض دفعہ نثر میں کرتے ہیں، بعض دفعہ نظم میں یا غزل میں کرتے ہیں۔ جیسے یہاں پر نثر میں بات ہو رہی ہے، اسی طرح بابا بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات نے نظم میں یہ باتیں کیں ہیں۔ دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں کچھ لوگ تو اپنے اعمال کی فکر کرنے لگتے ہیں کہ ان کے اندر وہ چیزیں نہیں ہیں جو ہونی چاہئیں وہ تو کامیاب ہو جاتے ہیں، ان کو ان کی شاعری سے یا نثر سے فائدہ ہوتا ہے اور کچھ لوگ ان اعمال کو ہی فضول سمجھ کے چھوڑ دیتے ہیں اور پھر فخر کرتے ہیں کہ ہمیں بڑا عشق حاصل ہے۔ بھئی تمہیں ڈھانچہ بھی حاصل نہیں ہے تو روح کہاں سے حاصل ہو گئی؟ پہلے ڈھانچہ

تو حاصل کرو۔ اگر روح نہیں ہے تو ڈھانچہ بھی ختم کر لو گے اس کی کیا حیثیت ہے؟ یہ تو بڑی غلط بات ہے۔ ان حضرات کی مراد یہ ہوتی ہے کہ ہم لوگوں کو ان چیزوں کا صحیح مفہوم اپنانا چاہیے۔

متن:

زاہدوں نے اپنے دل میں یہ بات ٹھان لی ہے کہ ٹوپی سر پر رکھنے اور چند رکعت نماز جو کہ عادت کے طور پر اور عبادت اور سلوک کی چند حکایتیں یاد کرنے سے کہ یہ سب کچھ بے سعادتی اور ذلت ہے، اسی کو کام خیال کر لیا جائے۔ ان تمام عبادت عادتی سے کچھ فائدہ بر آمد نہیں ہو گا۔ اے میرے پیارے، آپ کے اس زمانے کے شیوخ و عالموں کو چاہیے کہ ایسے پیر و مرشد کا دامن ارادت پکڑیں جو کہ اس راستے پر چلا ہو، اور شریعت کے منازل سے آگاہ ہو۔ اور اسرار و حقیقت کی شراب کے ساغر سے آشنا ہو تاکہ وہ نفسانی اور شیطانی اعمال دور کرے اور روحانی و رحمانی اعمال کے بارے میں تمہاری رہنمائی کرے۔ کیونکہ اے میرے پیارے بادشاہوں کی خدمت کے طریقے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کے اسرار کے دقائق اس راہ پر چلنے والے رہ شناسوں کی رہنمائی کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ پس اے میرے محبوب، جو کوئی بھی بادشاہ سے ملنے کی طلب کرے، تو جب تک وہ بادشاہ کے کسی مقرب کی حمایت حاصل نہ کرے، اپنی مراد نہیں پا سکتا۔ اسی طرح جو شخص بھی اللہ جل جلالہ کی رضا جوئی تلاش کرے۔ تو جب تک کسی رہ شناس اور منزل آگاہ شخص کا دامن نہ پکڑے اپنی منزل مقصود کو نہیں پہنچے گا۔ سلوک کی چند حکایتوں کے ذریعے جو کہ جواں مردوں کی حکایتیں ہوتی ہیں، نامردوں کی زبان سے ادا کی جائیں، کام کب اور کیسے درست ہو گا۔

تشریح:

حضرت نے نہایت عام فہم انداز میں واضح فرمایا ہے کہ عام رواجی عبادات اور سلوک کی چند حکایات کو اپنا لینے سے اللہ تعالی کے قرب کے اسرار حاصل نہیں ہوسکتے۔ اس کے لیے کسی ایسے پیر و مرشد کا دامن ارادت پکڑنا ہو گا جو اس راستے پر چلا ہو اور شریعت کی منازل سے آگاہ ہو اور اسرار و حقیقت کی شراب کے ساغر سے آشنا ہو۔ ان کی روح اور جسم یک جاں ہوتے ہیں، یعنی ان کا جسم ان کی روح کے تحت اشاروں پر چلتا ہے۔ یوں

وہ جواں مرد کہلاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی چند حکایات دہرا لینے سے کام نہیں بنے گا۔

متن:

اس راستے میں ہدایت کے لئے مرد کامل چاہیے تاکہ انسان کو مراد تک پہنچائے چند رکعتوں اور چند حکایتوں سے کیا چیز درست ہو گی؟ پس اے میرے محبوب! جیسا اللہ تعالیٰ کی عنایت ازلی کسی مرید کے بارے میں نصیب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس مرید کو ایک ایسے پیر کی محبت نصیب فرماتا ہے کہ اُس پیر کا ظاہر علوم شریعت سے آراستہ ہوتا ہے اور اس کا باطن کمال معرفت اور حقیقت سے مزین ہوتا ہے اور غرور و تکبر کی آنکھیں اس نے باہر نکال پھینک دی ہوتی ہیں، حرص اور لالچ کے دامن کو قناعت کے پتھروں سے بھروایا ہوتا ہے۔ اس پیر کا ظاہر شریعت کے سیدھے راستے پر قائم ہوتا ہے اور اس کا باطن ریاضت کی بھٹی میں کندن بن چکا ہوتا ہے اور اُس سیر ہر گھڑی مرید کے دل کی کھیتی میں لطائف کا تخم کاشت کرتا ہے اور ہر دن وہ تخم حقائق کے آداب کے دقائق سے سیراب ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس نیک توجہ اور نصیحت کے قبول کرنے اور اللہ کریم کی عنایت سے مرید کے مقبول اعمال صالحہ اور پسندیدہ کردار، شریف احوال اور مسنون مقامات میں روز بروز اضافہ ہوتا ہے اور غیبی واردات کی خوشبو کے جھونکے مرید کے دل کے باغ میں محسوس ہوتے ہیں۔ اور اس مریدِ مقبول کا باطن صفا و طہارت کے انوار اور وفا و محبت کے اسرار سے منور ہو جاتا ہے۔ پس اے میرے پیارے، یہ تمام مذکورہ نشانیاں مقبول مرید کی ہیں۔ بصورت دیگر بے بہرہ اور بد نصیب مرید کی نشانی یہ ہے کہ کسی جاہل شیخ کے پاس جا کر جس کا دل تاریک ہو اور جس کی خصلت سراپا حیوانی ہو اور اُس کے بارے میں یہ کلام ربانی پورے طور پر منطبق ہو۔ ﴿كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ﴾ (المطففین:15) "بے شک یہ لوگ اس روز اپنے پروردگار کے دیدار سے اوٹ میں ہوں گے۔" اگرچہ یہ آیت شریف کافروں کی شان میں نازل ہوئی ہے، مگر جب تم طریقت میں آجاؤ تو لاکھوں کفر سامنے پیش آئیں گے۔ اس کے بعد ہر روز وہ گمراہ شیخ نام نہاد تقلید کی تاریکیوں اور رسمی عبادتوں کے بندھن اُس مرید کے گرد سخت کرتا جاتا ہے اور باطل تصورات اور فاسد خرافات سے اس بے چارے پر حق کا راستہ بند کرتا ہے اور گمراہی اور بدعتوں کے کانٹے اس بے چارے مرید کے راستے میں بچھاتا رہتا ہے اور ہر گھڑی کمینگی اور ضیانت کے بیج

اس کے دل میں کاشت کرتا ہے اور اس کا باطن حرص اور حسد کی غلاظت سے گندہ اور پلید کرتا ہے۔ اے میرے محبوب، "لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ" یعنی "شنیدہ کے بود مانند دیدہ"۔ اس لئے زمانے کے پیروں اور مریدوں کے حال پر نظر کرنی چاہیے کہ ابلیس کے دھوکے اور فریب میں مبتلا ہو گئے ہیں، اس کے باوجود فقر کا نام اپنے ساتھ لگایا ہے۔ اور متقیوں اور اولیاء اللہ کا لباس پہن رکھا ہے اور اس لباس میں مقبولان درگاہ ایزدی کے شکل میں دکھائی دیتے ہیں۔ اپنے آپ کو اہل یقین کی شکل و صورت میں پیش کرتے ہیں۔ ان کا شعار رندی اور کھیل کود اور ان کی مجلس کے آداب بدعت اور بے نمازی اور ان کے وجد و حال رفض اور خواہشات کی تکمیل "اَلسِّمَاعُ حَرَامٌ لِّلْعَوَامِ لِبَقَاءِ فُتُوْرِهِمْ" "سماع عوام کے لئے اس کی سستی کی وجہ سے حرام ہے"۔ ان کی مجلس جھگڑا فساد ان کے اسرار و خلوت تفرقہ اور خباثت اور حرام کی کمائی پر فخر کرنا، اور اسی طرح ان کا افتخار اور سبقت قباحت اور بے حیائی کے امور میں ہوتا ہے۔ عام جاہل لوگ جو کہ جانوروں سے بھی بدتر ہوتے ہیں، ان مردود لوگوں کو جو کہ نفس کے تقاضوں اور خواہشات نفسانی کی پیروی کرتے ہیں اور اباحت اور کفر کا نام طریقہ رکھا ہے اور اسی کو طریقہ کہتے ہیں۔ یہ سب دین اسلام کی حقیقتوں سے بے گانہ ہیں۔ اور ان کے مرید ان گمراہوں کے ساتھ ضلالت اور گمراہی کے صحرا کے اس سفر میں سرگشتہ اور گمراہ ہو گئے ہیں۔ پس اے میرے پیارے! یہ بات گرہ میں باندھ کے رکھ لے کہ جب تک دل کا آئینہ بشری صفتوں کی برائیوں سے پاک نہ ہو، ایمان اور اسلام کی روشنی اور انوار دل میں کبھی نہیں آسکتے، اور جس کسی کے اعمال و کردار میں اخلاص نہ ہو، اور ہمیشہ خواہشات نفسانی کا تابع اور فرمانبردار ہو، تو وہ کبھی بہبود و نجات کی شکل بھی نہ دیکھ سکے گا۔ کیونکہ ان سب کا آئینہ دل کو بشری اوصاف کی کدورتوں سے صاف رکھنا اور اعمال و کردار کو پُر اخلاص بنانے کا میوہ اور حاصل اسلام ہے اور اسلام کی حقیقت حکم ماننا ہے۔ اور نفس کی مخالفت کرنا بھی احکام میں سے ایک حکم ہے "اَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ يَا مُوْسٰى اِنْ اَرَدْتَّ رَضَائِيْ فَخَالِفْ نَفْسَكَ اِنِّيْ لَمْ اَخْلُقْ خَلْقًا يُّنَازِعُنِيْ غَيْرَهٗ" اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم فرمایا کہ "اے موسیٰ اگر تم کو میری رضا جوئی مطلوب ہو تو اپنی نفس کی مخالفت کر کیونکہ میں نے اس کے سوا کوئی دوسری مخلوق ایسی نہیں بنائی جو میرے ساتھ نزاع

کرے۔" پس نفس کا حکم ماننا تمام معصیتوں اور گناہوں کی جڑ ہے۔ اور حدیث کا مفہوم ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ خیبر کے جہاد سے واپس تشریف لائے تو فرمایا: "**يَا أَصْحَابِيْ غَزَوْنَا الْجِهَادَ الْأَصْغَرَ وَبَقِيَ الْجِهَادُ الْأَكْبَرُ وَهِيَ جِهَادُ النَّفْسِ جَاهِدُوا النَّفْسَ الَّتِيْ بَيْنَ جَنْبَيْكُمْ**" آپ ﷺ نے فرمایا، کہ اے میرے اصحاب کرام ہم نے چھوٹا جہاد تو کر لیا، اور بڑا جہاد باقی رہ گیا ہے، اور وہ نفس کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔ پس تم اس نفس کے ساتھ جہاد کرو جو تمہارے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔ اے میرے پیارے، عارف وہ ہے جو اغیار (غیر اللہ) کی ہستی کا نقش اپنے وجود کی تختی سے مٹا کر دھو لے۔

تشریح:

یہاں پر ایک مشکل بات ہے ذرا اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے کہ: "**قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَزَاةٍ لَهُ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَدِمْتُمْ خَيْرَ مَقْدَمٍ، وَقَدِمْتُمْ مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ، قَالُوا: وَمَا الْجِهَادُ الْأَكْبَرُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: مُجَاهَدَةُ الْعَبْدِ هَوَاهُ**" (تاریخ بغداد للخطیب البغدادي، ج13، ص 498) "نبی کریم ﷺ ایک غزوہ سے واپس ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ تمہارا آنا مبارک ہو، کیوں کہ تم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف پلٹ رہے ہو۔ صحابہؓ کرام نے عرض کیا کہ جہادِ اکبر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندے کا اپنی خواہشات کے ساتھ لڑنا"۔ اس میں "جہادِ اصغر" سے "بڑے جہاد" کی طرف آنے کی لوگ غلط تشریح کرتے ہیں کہ بڑے اور چھوٹے جہاد کا مطلب یہ ہے کہ جہاد میں کوئی جائے اور کوئی نہ جائے کیونکہ وہ چھوٹا جہاد ہے اور نفس کا بڑا جہاد ہے۔ اصل میں یہ اس لئے کہا کہ جہاد ایک محدود وقت کے لئے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ 20 کلو وزن بہت آسانی کے ساتھ 5 منٹ کے لئے اٹھا لیں گے لیکن 5 کلو وزن کو 10 گھنٹے اپنے ساتھ رکھنا بڑا مشکل ہو جائے گا۔ اگر کوئی کہہ دے کہ بھئی 20 کلو وزن آپ 5 منٹ کے لئے اٹھا لو یا 5 کلو وزن 10 گھنٹے کے لئے اپنے ساتھ رکھو تو آپ کیا کریں گے؟ 5 منٹ کے لئے 20 کلو وزن آسانی کے ساتھ اٹھانے کے لئے آپ تیار ہو جائیں گے۔ پس جو جہاد عام ہے اس میں بھی جہادِ اکبر کا حصہ ہے لیکن وہ چونکہ تھوڑے وقت کے لئے ہے لہذا اس کو زیادہ استحکام ہے ورنہ ظاہر ہے وہ نفس کی حمایت والا تو نہیں ہے، وہ بھی نفس کی مخالفت ہے

اور بہت زبردست مخالفت ہے۔ تو جب اُس کی ضرورت ہو تو پھر وہی جہادِ اکبر بن جائے گا۔ لیکن چونکہ وہ تھوڑی دیر کے لئے ہوتا ہے تو آسان ہوتا ہے اور جہاد بالنفس پوری عمر کے لئے ہوتا ہے، اپنے آپ کو گویا کہ ہر وقت چھری کے سامنے رکھنے والی بات ہے یعنی اللہ کی طرف یا نفس کی طرف، جس میں مسلسل محنت کرنی پڑتی ہے۔ کچھ لمحوں کے لئے کوئی کام کرنا بہت آسان ہوتا ہے لیکن اگر اس کو مستقل طور پر کرنا پڑ جائے تو پھر بڑی مشکل ہو جاتی ہے۔ تو نفس کا جہاد اس لئے اکبر ہے کہ وہ کافی عرصے کے لئے ہوتا ہے اور اس میں تسلسل ہے، اس میں چھوٹ نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ 10 بجے تک نفس کی بات مان لو اور 11 بجے سے 12 بجے تک نہ مانو۔ بلکہ نفس کی جو بھی بات شریعت کے خلاف ہے اس کی ہر وقت مخالفت کرنی ہے تبھی جہادِ اکبر ہو گا۔ نفس کے جہاد کو جہادِ اکبر اس لئے کہا گیا کہ یہ مستقل اور لمبے عرصے کے لئے ہے اور لمبے عرصے کے لئے پابندی برداشت کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اور جہادِ اصغر جس کو کہا گیا وہ تھوڑے عرصے کے لئے ہوتا ہے اور تھوڑے عرصے کے لئے زیادہ بوجھ بھی آسانی کے ساتھ برداشت کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ نَعُوذُ بِاللہ مِنْ ذَالِک نفس کے خلاف جہاد کا مطلب یہ نہیں کہ خانقاہ میں بیٹھو اور جہاد کے لئے نہ جاؤ۔ جب جہاد فرض ہو جائے تو اس وقت ہر صوفی کے اوپر لازم ہو گا کہ جہاد کے لئے نکلے جیسے کہ باقی لوگوں کے اوپر لازم ہو گا کہ وہ جہاد کے لئے جائیں۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام کا مقام تمام صوفیا سے اونچا ہے اور ان کی ساری زندگی جہاد میں گزرے گی، ان کے لئے وہی جہادِ اکبر ہو گا اور کتابوں میں لکھا ہے کہ اس وقت یہ حالت ہو گی کہ کوئی گھر ایسا نہیں ہو گا جہاں پر شہادتیں نہ ہو چکی ہوں۔ کسی کا والد، کسی کا بھائی، کسی کا بیٹا، بڑا مشکل وقت ہو گا۔ تو جہادِ اکبر اور جہادِ اصغر صرف اس کے عرصے کے لحاظ سے ہے۔

متن:

ہر کہ ایں سعادت رو نمود
ابواب مواہب غیبی برو کشود

ترجمہ:

جس کسی کو یہ سعادت ہاتھ آئی تو غیب کے فیوضات و مواہب کے دروازے اُس پر کھل گئے (اور خوف و اُمید اور ترقی و تنزل اور دنیا و آخرت کی فکر و خیال سے نجات حاصل کر گیا۔)

اے میرے پیارے، کافر تو آپ کو جان سے مارنے کا ارادہ کرتے ہیں، اور یہ مکار نفس آپ کے ایمان کو ختم کرنے کے درپے ہے۔

تشریح:

کافر آپ کو جان سے مار سکتا ہے ایمان سے نہیں ہٹا سکتا، لیکن نفس چونکہ ہر وقت ساتھ لگا ہوا ہے تو یہ آہستہ آہستہ ایمان تک پہنچ سکتا ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے انفاسِ عیسیٰ میں فرمایا کہ اس وقت میں فتویٰ دیتا ہوں کہ صحبتِ صالحین فرضِ عین ہے کیوں کہ اس کے بغیر ایمان بھی قائم نہیں رہتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحبت یا نیک ہو گی یا بد ہو گی، نفس کی صورت میں صحبتِ بد ہر وقت ساتھ ہے۔ اب نیک صحبت اگر نہیں ہو گی تو آدمی بد صحبت کے حوالے ہو گیا تو پھر یہ کس طرف جائے گا؟ صحبتِ صالحین آج کل کے دور میں اس لئے فرضِ عین ہے کہ اس سے ایمان سالم رہتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجو رحمۃ اللہ علیہ نے جب حضرت مولانا اشرف رحمۃ اللہ علیہ کو جو ہمارے شیخ محترم تھے اجازت عطا فرمائی تو ساتھ ہی فرمایا کہ کوئی بھی اللہ کا نام سیکھنے کے لئے آئے تو ایک منٹ بھی دیر نہ کرنا یعنی اس کو قبول کرنا۔ اللہ اللہ کا نام سیکھنا یہ اصل میں صوفیانہ محاورہ ہے یعنی کوئی بیعت ہونے کے لئے آئے۔ تو حضرت نے اشکال پیش کیا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو بڑی مشکل سے بیعت فرماتے تھے اور آپ مجھے فرماتے ہیں کہ فوراً بیعت کر لو؟ شاہ صاحب نے فرمایا: وہ بیعتِ سلوک تھی اس لئے حضرت امتحان لے رہے تھے کہ یہ اس قابل ہے کہ کر سکے گا یا نہیں؟ اس وجہ سے بیعت کرتے وقت اچھی خاصی پابندیاں لگائی جاتی تھیں، اور میں جو بتا رہا ہوں یہ بیعتِ ایمان ہے۔ اگر تیرے پاس کوئی آتا ہے اور تو اس کو بیعت نہیں کرتا تو اگر کسی بے ایمان کے پاس چلا گیا پھر اس کا کیا بنے گا؟ خدا نخواستہ کوئی اس کا ایمان خراب نہ کر دے۔

میری تو جان لبوں پہ آ جاتی ہے کہ جس وقت کسی بد عقیدہ شخص سے میں کسی کو

بیعت ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں یعنی بیعت ہو چکا ہو۔ جو دوسروں کے لئے دوائی ہے وہ اس بیعت ہونے والے کے لئے زہر بنتی ہے کیونکہ مجلس میں یہاں پہ کوئی بیٹھا ہوا ہے جو بد عقیدہ شخص سے بیعت ہے اور میں بیان کرنا شروع کر لوں کہ شیخ کامل کی تلاش کرو، شیخ کامل سے بیعت ہو جاؤ، شیخ کامل سے یہ ہو گا، وہ ہو گا اور وہ اپنے شیخ کو شیخ کامل سمجھ رہا ہے، آپ براہ راست اس کو کہہ بھی نہیں سکتے کہ وہ بد عقیدہ ہے کیونکہ وہ اس کے ساتھ محبت کرتا ہے لہٰذا آپ سے لڑنے لگے گا، اپنے آپ کو بھی خراب کرے گا آپ کو بھی نقصان پہنچا سکتا ہے، اور اگر آپ نہیں کہتے ہیں تو وہ اپنے عقیدے میں اور مضبوط ہو رہا ہے۔ اب میں اگر یہ بات اس کے لئے نہ کروں تو لوگ نقصان میں جاتے ہیں اور کرتا ہوں تو وہ مزید مضبوط ہوتا جاتا ہے، اس کے لئے بھی نقصان ہے یا نہیں؟ جو شخص کسی بد عقیدہ شخص سے بیعت ہو اور وہ مجلس میں بیٹھا ہو تو بڑا مشکل کام ہے اس کو سمجھانا، اس کے سامنے بہت طریقے سے بات کرنی پڑتی ہے۔

ڈاکٹر فدا صاحب مدظلہ کے پاس ایک قادیانی طالبعلم آیا اور پوچھا: حضرت خاندانی منصوبہ بندی کرنا کیسا ہے؟ فرمایا کہ آج کل کے دور میں بہت ضروری ہے، اس کے بغیر تو گزارا نہیں ہے۔ تو ڈاکٹر صاحب کے ساتھ جو بیٹھے تھے وہ حیران ہو گئے کہ ڈاکٹر صاحب کو آج کیا ہو گیا خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں فتویٰ دے رہے ہیں کہ یہ ضروری ہے! خیر وہ لڑکا چلا گیا تو ساتھ بیٹھے لڑکوں نے کہا: ڈاکٹر صاحب یہ کیا بات فرمائی؟ فرمایا: کیا میں قادیانی کی اُمت کو بڑھاؤں؟ اگر میں کہتا خاندانی منصوبہ بندی ٹھیک نہیں ہے تو وہ مزید قادیانیوں کو بڑھاتا رہتا۔

تو اصل میں موقع شناسی، مردم شناسی، محل شناسی، یہ تین باتیں جس میں نہ ہوں وہ نصیحت کے قابل نہیں ہے۔ تو اگر کوئی شخص اس طرح کا آ جائے جو بد عقیدہ پیر سے بیعت ہو اور کبھی کبھی میرے ساتھ اس طرح کا معاملہ ہو جاتا ہے کہ سامنے لوگ مختلف بیٹھے ہوتے ہیں کوئی ایک طرف کا ہے، کوئی دوسری طرف کا، اس وقت بات کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے، اور واقعتاً بڑا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس لئے عرض کرتا ہوں کہ اگر خدا نخواستہ کوئی غلط طرف چلا گیا تو اس کو وہاں سے لانا بہت مشکل کام ہے۔

ہم مری گئے تھے تو ایک جگہ پر میں توقیر صاحب کے پاس گیا تھا، انہوں نے دعوت

کی تھی۔ ان کے پاس ایک اور صاحب آئے ہوئے تھے، حکیم صاحب نے فوراً ان کا تعارف کروایا کہ یہ شیخ امین صاحب سے بیعت ہیں۔ مجھے بات سمجھ آگئی، خیر کیا کرتے وقت بھی تھوڑا تھا اور بات بھی کرنی ضروری تھی کیونکہ اس کے بعد پھر وہ وقت کہاں ملتا۔ دو تین باتیں کرنے کے بعد میں نے کہا کہ حضرت شیخ امین صاحب کے بارے میں مجھے تھوڑا سا پتا ہے اور وہ صحیح نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس پہ آپ ذرا غور فرمالیں۔ مجبوراً مجھے یہ بات اسی وقت کرنی پڑی کیونکہ اس وقت صورتِ حال ایسی تھی کہ وقت زیادہ نہیں تھا، خدا کی شان کہ اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی۔ بعد میں اس نے ٹیلی فون کیا اور مجھ سے ذکر لے لیا جس سے اس کو فائدہ ہو گیا اللہ کا شکر ہے، پھر وہ پتا کر کے خانقاہ پہنچ گیا اور غالباً دو، تین دن لگائے، اس کے بعد بیعت ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو فائدہ پہنچایا۔ بڑی محبت کے ساتھ مری میں بھی ہمارے ساتھ تھا۔ وہ خوش قسمت تھا کہ اس کو بات آسانی سے سمجھ آگئی ورنہ اتنی آسانی سے سمجھ میں نہیں آتی۔ گمراہ پیر سے کوئی بیعت ہو اور پھر اس کو آپ سمجھائیں کہ یہ گمراہ ہے، یہ بہت مشکل کام ہے۔

متن:

یعنی یہ ایسا دشمن ہے کہ تمام زخم اپنے دوست اور ساتھی پر لگاتا ہے، اور ایسا کافر ہے، جو اپنا گھوڑا دوست اور محبت کرنے والے پر دوڑا کر اسے روندتا ہے۔ جو کوئی نفس کی دوستی میں جس قدر کوشش کرتا ہے، تو ابدی ہلاکت کا زہر اس قدر نوش کرتا ہے، جو کوئی کہ نفس کے عشوہ و ناز پر جتنا فریفتہ ہوا، تو اپنے دین و ایمان کی عزت اس قدر گنوائی۔ فائدہ:۔ تمکین دو قسم کی ہے۔ ایک اصطفائی اور دوسری اکتسابی۔ اکتسابی تمکین وہ (مقام عزت و وقعت، تصوف میں ایک مقام کا نام ہے) ہوتا ہے، کہ ایک شخص نفسانی کمال حاصل کر کے اچھی طرح خدمت انجام دیتا ہے، اور اپنے آقا (اور بادشاہ کے احکام و اعمال کے بجا لانے میں بہت تکالیف سے دوچار ہوتا ہے اور دن رات اپنے آقا) کی خدمت پر کمر بستہ رہتا ہے۔ اگر آقا کا منظور نظر ہو جائے تو اس کو وجاہت اور رتبۂ اعلیٰ حاصل ہوتا ہے اور یہ مقام مرشد کامل کے بغیر ہاتھ نہیں لگتا ﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (المائدۃ:35)

ترجمہ:۔ "اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور اس کے لئے وسیلہ تلاش کرو۔

اور اُس کے راستے میں جہاد کرتے رہو، (خواہ ظاہری دشمنوں سے ہو، خواہ باطنی دشمنوں سے ہو)۔ ایسا کرنے سے تم کو فائدہ اور خیر و فلاح حاصل ہو گی۔" اس آیت شریف میں اس کی جانب اشارہ ہے اور حدیث مبارک یہ ہے "**مَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا۔۔۔۔الخ**"۔ (بخاری شریف کتاب الرقاق، باب التواضع، حدیث نمبر 6502)

"میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اُس کے ساتھ محبت کرتا ہوں۔ میں اُس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا رہتا ہے، اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ گرفت کرتا ہے، اُس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو اُس کو دے دی جاتی ہے۔ اگر مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو اُس کو ہمارے ہاں سے پناہ دی جاتی ہے" اس حدیث شریف کا اشارہ اس طریقہ سے ہے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بادشاہ خود ارادہ فرمائے کہ کسی کو تربیت دے کر اعلیٰ مرتبہ تک پہنچائے تو وہ خود بذاتہٖ اس کو تربیت دیتا ہے۔ اور جب وہ کمال حاصل کرتا ہے تو اس کو اعلیٰ مرتبہ تفویض کرتا ہے۔ اس طریقہ میں پیر و مرشد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ خود ہی نور محمدی کے ذریعے اس کے دل کی تربیت فرماتا ہے۔ ﴿**اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ**﴾ (آل عمران:33) "اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و نوح (علیہما السلام) اور اٰل ابراہیم اور اٰل عمران کو تمام عالم میں سے برگزیدہ فرمایا ہے۔"

تشریح:

اگر کسی کو اس پر اشکال ہو تو انبیائے کرام تو سارے یہی ہیں کیوں کہ نبی کشف سے نہیں بن سکتا بلکہ وہ چنا ہوا ہوتا ہے۔ اصل میں اللہ کے فیصلے پہ دل و جان سے راضی ہو جانا ایک بہت بڑا مقام ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک نے فرمایا کہ تیری مجلس میں ایک شخص ہے جس نے چالیس سال تک مجھے ناراض کئے رکھا، میں اس کی موجودگی میں بارش نہیں برساؤں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اعلان کر دیا کہ کوئی ایسا شخص ہے تو اٹھ کے چلا جائے تاکہ باقی لوگوں کو بارش نصیب ہو جائے۔ ابھی کوئی بھی نہیں نکلا تھا کہ بارش شروع ہو گئی۔ موسیٰ

علیہ السلام پریشان ہو گئے کہ اب میری نبوت پہ یہ لوگ یقین نہیں کریں گے کیونکہ نبی کی سب سے بڑی بات تو سچا ہونا ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا اللہ آپ ہی کے کہنے پہ میں نے سب سے کہا تھا تو اب یہ کیا ہو گا؟ اللہ پاک نے فرمایا: اس بندے نے مجھ سے دوستی کر لی تو اب وہ مختلف ہو گیا جو پہلے تھا اب وہ نہیں رہا، لہٰذا پابندی ختم ہو گئی اس لئے میں نے بارش برسا دی۔ اب موسیٰ علیہ السلام کو اتنا سخت خطرہ تھا اس کے باوجود فوراً کہتے ہیں: یا اللہ مجھے ان کی زیارت کرا دے کیونکہ وہ تیرا دوست ہے۔ تو جو اللہ کرتا ہے اس کے اوپر دل و جان سے راضی ہونا بندے کے لئے سب سے بڑی سعادت ہے۔ اگر کسی کو ایسے لوگوں کے بارے میں اِشکال ہوتا ہو تو وہ ڈرے کہ اللہ کے فیصلوں پر مجھے اشکال ہو رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ: میں منتخبین میں سے ہوں یا کشف والوں میں سے ہوں۔ بھئی بچنا چاہیے جس طریقے سے بھی بچو، خواہ مخواہ ان چکروں میں پڑو ہی نہیں کیونکہ توفیق بھی تو اللہ ہی دیتا ہے، اگر تم نے عمل کر لیا تو اپنی طرف سے تھوڑی کیا بلکہ خدا کے فضل سے کیا، اس پر اللہ کا شکر ادا کرو کہ اللہ پاک نے توفیق عطا فرمائی۔ یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ میں تو محنت سے کر رہا ہوں اور دوسرے کو ویسے ہی چن رہا ہے ورنہ انسان اپنے لئے گڑھا خود ہی کھودے گا۔ شیطان کے ساتھ بھی یہی مسئلہ ہوا تھا کہ عبادت کو اپنی طرف سے سمجھا اللہ کی طرف سے نہیں سمجھا، تو جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور سجدے کا حکم ہوا تو اس نے سوچا کہ ابھی ان کو پیدا کیا ہے اور ابھی ان کو سجدہ بھی کرایا جا رہا ہے اور میں اتنے عرصے سے عبادت کر رہا ہوں وہ ساری کی ساری ویسے ہی چلی گئی۔ پھر کیا ہوا؟ اللہ پاک نے تأدیباً پوچھا: تو نے کیوں اس طرح حرکت کی؟ جس کو میں نے خاص اپنے طریقے سے بنایا تو جب میں نے حکم دیا تھا، اس کو تو نے کیوں سجدہ نہیں کیا؟ تو اس کے منہ سے نکلا ﴿**أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَّخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ**﴾ (ص:76) یہی خوش فہمیاں ہیں۔ ﴿**رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ**﴾ (آل عمران: 8) ﴿**إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ**﴾ اس کا اخیر ہے۔ "**وَهَّاب**" کا مطلب ہے بغیر استحقاق کے عطا کرنا۔ ہم لوگوں کو پناہ مانگنی چاہیے اللہ کی کہ اس حالت سے اللہ تعالیٰ ہمیں نکال دے کہ ہمارے اندر کوئی ضد آ جائے اور ہم اللہ کے حکم کے سامنے اپنے نفس کی خواہش کو آگے رکھیں۔ وہ بھی نفس ہی کی خواہش

تھی کہ مجھے سجدہ کیا جائے یا میں بڑا بن جاؤں۔ بڑا بننے کے جراثیم جس میں بھی ہوں گے تو مصیبت ہو گی۔ فرمایا: "اَلْکِبْرُ رِدَائِیْ" (المقاصد الحسنۃ للسخاوی، ج2 ص163) "بڑائی میری چادر ہے جو مجھ سے اس کو چھینے گا میں اس کو ریزہ ریزہ کر دوں گا۔"

بڑائی کے جراثیم بالکل ختم کرنے پڑتے ہیں اور اصلاحِ کلی اس کے بعد ہوتی ہے جو انسان کی بڑائی کے جراثیم کو ٹھکانے لگائے۔ سب سے اخیر میں صدقین کے دل سے بھی یہ رذیلہ نکلتا ہے، یہ بڑا مشکل کام ہے۔ جس میں بھی یہ جراثیم پائے جائیں سمجھو کہ وہ تباہی کے دہانے پہ کھڑا ہے، کسی بھی وقت تباہ ہو سکتا ہے۔ جیسے شیطان اس وقت تک عبادت کر رہا تھا لاکھوں سال سے لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ اس نے سارا کا سارا معاملہ دھڑام سے گرا دیا اور ختم کر دیا، وہ ایک لمحہ تھا جس نے اس کو تباہ و برباد کر دیا۔ یہ چیز جس کے اندر ہو اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ کس وقت اس سے کیا بات ہو جائے، کسی بزرگ کی گستاخی ہو جائے یا کسی کام کی نا قدری ہو جائے یا اللہ کے حکم کے درمیان کوئی بات آ جائے، مطلب یہ ہے کہ کچھ بھی ہو سکتا ہے لہٰذا اس کو جڑ سے نکالنا ہوتا ہے۔

کراچی میں ہمارے ایک ساتھی تھے جنہوں نے مجھے میسج کیا کہ یہاں لوگ Reiki Yoga کی طرف جاتے ہیں اور پتا نہیں کس کس طرف جاتے ہیں اور یہ کرتے ہیں، وہ کرتے ہیں وغیرہ۔ میں چاہتا ہوں کہ لوگ ذکر کی طرف آئیں، آپ مجھے کوئی ایسا ذکر سکھا دیں جو میں دوسروں کو سکھا سکوں۔ آج کل یہ باتیں میرے ساتھ بہت زیادہ ہو رہی ہیں پتا نہیں کیا بات ہے۔ میں نے کہا کہ پہلے اپنے نفس کا علاج ہے باقی سب باتیں بعد کی ہیں۔ ان کا میسج یہ تھا۔۔

سوال: السلام علیکم!

میں فلاں ہوں کراچی سے، مرد ہوں۔ کافی عرصے سے مجھے ایسے ذکر کی تلاش ہے جو میں خود بھی کر سکوں اور دوسروں کو بھی سکھا سکوں کیونکہ بہت سارے لوگ Reiki Yoga وغیرہ کی طرف جا رہے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ ذکر کی طرف آئیں تو یہ مکمل اجازت کے ساتھ اور ہدایت کے ساتھ مجھے آپ عنایت فرما دیں۔

جواب:

وعلیکم السلام آپ کا جذبہ قابلِ قدر ہے لیکن ایک شبہ رہ جاتا ہے وہ یہ کہ جب تک

اپنی اصلاح نہ ہو تو دوسرے کی اصلاح نہیں کر سکتے۔ اس لئے پہلے اپنی اصلاح کرنی ہوتی ہے بعد میں دوسروں کی۔ دوسروں کی فکر بری بات نہیں لیکن اصول کے مطابق ان کی رہنمائی ایسے لوگوں کی طرف کی جائے جن کو مندرجہ بالا اصول کے مطابق دوسروں کی اصلاح کرنے کی اجازت ہو۔ دعاؤں کی درخواست ہے۔

جواب آیا کہ آپ کے جواب کا شکریہ میری E-mail کا موضوع بھی یہی تھا کہ میں خود سیکھ کر دوسروں کو سکھانا چاہتا ہوں اس لئے آپ کی رہنمائی درکار تھی، بنا سیکھے نہ کوئی کسی کو سکھا سکتا ہے نہ ہی دے سکتا ہے بہرحال آپ کے جواب کا منتظر۔

یعنی پھر بھی وہی چیز باقی ہے کہ میں سیکھ کر سکھانا چاہتا ہوں تو پھر مجھے وہی والا ذکر بھیجنا پڑے گا۔ ایک پیر صاحب کے پاس کوئی مرید آیا تو اس کو کسی طریقے سے بھی فائدہ نہیں ہو رہا تھا۔ حضرت نے بڑے طریقے بدلے لیکن ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔ حضرت کو فکر ہو گئی اور اس کو بلایا اور کہا کہ بھئی تو میرے پاس کس ارادے سے آیا ہے، تیری نیت کیا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ تو ماشاء اللہ بہت بڑے شیخ ہیں اور آپ کا فیض چل رہا ہے، ایک عالَم اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ میرا دل یہ چاہتا ہے کہ اگر مجھے بھی فیض مل جائے تو میں بھی لوگوں میں اس طرح تقسیم کرتا رہوں، جس طرح آپ فرما رہے ہیں۔ یہ وہی چیز تھی جو ابھی اوپر ذکر ہوئی۔ تو حضرت نے فرمایا: اچھا ابھی سے پیر بننے کی ٹھانی ہے؟ یہی کتا ہے جو پڑا ہوا ہے، اس کو نکالو، جب تک یہ نہیں نکالو گے اس وقت تک آپ کو فائدہ نہیں ہو گا، اس سے توبہ کرو۔ اس سے توبہ کروائی پھر اس کے بعد اس کو فائدہ ہو گیا۔ یہی چیز ہوتی ہے کہ انسان جب دوسروں کی فکر کرتا ہے اور اپنی فکر کو بھول جاتا ہے تو مسئلہ خراب ہو جاتا ہے۔

مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے کہ دنیا کے معاملے میں کوئی ایسا نہیں کرتا کہ دوسروں کو اپنے اوپر فوقیت دیتا ہو کہ پہلے اس کو، پھر مجھے۔ صحابہ کرتے تھے، ہم نہیں کرتے۔ لیکن دین میں سارے بڑے بڑے فیاض بن جاتے ہیں، خود کو بھول کر دوسروں کو دینا چاہتے ہیں۔ یہ سب وہی بڑائی کی محبت ہے، پیر بننے کا شوق ہے۔

متن:

تو وہ خود بذاتہٖ اس کو تربیت دیتا ہے۔ اور جب وہ کمال حاصل کرتا ہے تو اس کو اعلیٰ

مرتبہ تفویض کرتا ہے۔ اس طریقہ میں پیر و مرشد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ خود ہی نور محمدی کے ذریعے اس کے دل کی تربیت فرماتا ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ (آل عمران: 33) "اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران علیہم السلام کو تمام عالم میں سے برگزیدہ فرمایا ہے۔"

﴿وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (آل عمران: 42) "فرشتوں نے جس وقت حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کہا، کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو برگزیدہ اور منتخب فرمایا اور تم کو پاک اور طاہر بنایا، دنیا کی تمام عورتوں سے۔" ﴿قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ (الاعراف: 144) "اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ اے موسیٰ علیہ السلام میں نے تم کو اپنے پیغام اور اپنے کلام سے لوگوں سے ممتاز کیا ہے تو جو میں نے تم کو عطا کر رکھا ہے، اسے پکڑ رکھو اور میرا شکر ادا کرو۔" یہ پہلی قسم یعنی اصطفائی کی طرف اشارہ ہے اور تمام نبی اسی قسم سے ہوتے ہیں۔ اور بعض اولیاء بھی مثلاً بی بی مریم علیہا السلام، اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ، ابو الحسن نوری وغیرہ اس قسم کے تھے۔ کسی سے انہوں نے طریقہ نہیں کیا تھا۔ اور اویسی طریقے کا یہی مطلب ہے کہ اس کی تربیت نور احدی یا نور صمدی کی جانب سے ہوتی ہے اور ظاہری مرشد نہیں رکھتا وہ خود بھی کسی کو وظفیہ مثلاً قادری یا چشتی وغیرہ نہیں سکھاتے تھے بلکہ کیمیا نظر تھے۔ صرف نظر سے یا باطنی توجہ سے مریدوں کو زندگی میں یا اب بھی وفات کے بعد فیض بخشتے ہیں۔ بات ازل سے تعلق رکھتی ہے اگر ازل میں سعید اور نیک بخت ہو تو شیخ صاحب سے فیض یاب ہو جاتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات بد بخت بھی نیک بخت ہو جاتے ہیں کیونکہ مثل مشہور ہے کہ "اَلشَّيْخُ مَنْ سَعَدَ الشَّقِيَّ" "شیخ وہ ہوتا ہے جو کہ باطن کی نظر سے بد بخت کو نیک بخت بناتا ہے۔"

تشریح:

اولیا اللہ کی دو قسمیں ہیں، ایک اصطفائی اور دوسری اکتسابی۔ اصطفائی جن کو چنا جاتا ہے۔ جیسے محمد مصطفیٰ۔ اور اکتسابی وہ ہیں جو محنت و مشقت و ریاضت سے اس مقام کو حاصل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس مقام تک پہنچنے کے لئے محنت و مشقت اور ریاضت کرتے ہیں وہ بھی اور جن کو اللہ چن لیتا ہے اور ایسا بنا لیتا ہے کہ اللہ کے لئے ساری مشقتوں کو

برداشت کرتے ہیں، تو بات تو ایک ہی ہو گئی۔

آپ ﷺ پہ جب آخری وقت میں بہت سخت تکلیف آئی کیونکہ آپ ﷺ کا بخار دو آدمیوں کا بخار تھا بہت سخت تکلیف میں تھے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نہ رہا گیا اور کہا یا ابا جان! آپ کی تکلیف مجھ سے نہیں دیکھی جاتی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹی آج کے بعد تیرے ابا جان کو کبھی تکلیف نہیں ہو گی۔ اب تکلیف تو ہو رہی تھی لیکن مصطفائیت میں پتا تھا نتیجہ کیا ہو گا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے جتنی تکلیف دی گئی کسی کو اتنی نہیں دی گئی۔ آپ ﷺ تو سب سے بڑے مصطفیٰ ہیں۔ پھر آپ ذرا غور فرمائیں کہ آپ ﷺ کے خاندان کا آپ ﷺ کے امتیوں کے ہاتھوں کیا حال ہوا؟ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ، امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ ۔ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو زبیدہ نے اطلاع بھیجی جو سادات میں سے تھیں لیکن ہارون رشید کی بیوی تھیں کہ ہارون رشید آپ کے دو پوتوں علی اور محمد کو مارنا چاہتا ہے۔ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ جو ان کے والد تھے فوت ہو گئے تھے، اُن کو تو مدینہ منورہ میں دفن کر دیا۔ ان کے دو بیٹے تھے ایک کا نام علی تھا اور دوسرے کا نام محمد تھا، علی بالکل بچے تھے۔ زبیدہ نے کہا کہ ان کو کہیں دور لے جائیں۔ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے راتوں رات ان کو بلخ روانہ کر دیا۔ ہارون رشید کو یہی ڈر تھا کہ جیسے ہی یہ بالغ ہوئے تو لوگ ان کو بادشاہ بنا دیں گے۔ یہاں جتنے بھی اوپر نام لکھے ہوئے ہیں یہ سب پہاڑوں میں رہے ہیں، شہروں میں نہیں آسکے۔ کیوں نہیں آسکے؟ اس لئے کہ حکمران برداشت نہیں کرتے تھے۔ غالب بابا کدھر ہیں؟ یہ ان کے علاقے کے قریب ہیں، ہمارے ایک دادا ہیں۔ اب بھی وہاں کچھ نہیں ہے۔ کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ، اس جگہ سارا ادھر اُدھر گاؤں بن گیا، پہلے اُدھر بھی کچھ نہیں تھا۔ اور بہادر بابا کہاں ہے؟ بالکل پہاڑوں کے درمیان میں، اب بھی وہاں کچھ نہیں ہے۔ اِس دور میں بھی آدم بابا جو ہمارے کربوغہ شریف میں ہے، سب پہاڑی علاقہ ہے، ساری زندگی ایسے ہی گزاری۔ تو کرنا پڑتا ہے، چاہے وہ مصطفائی ہو چاہے نہ ہو، تکلیف تو اٹھانی ہے۔ لہٰذا جن کو اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے ان کو بھی تکالیف ہوتی ہیں۔ یعنی اس مقام کو حاصل کرنے کے دوران اور اس مقام کو حاصل کرنے کے بعد، اس مقام کا جو حق ہوتا ہے اس کے مطابق تکلیف ہوتی ہے۔

متن:

اولیاء اللہ کے مراتب اور مقامات کے بارے میں اور یہ بات کہ ہمارے شیخ صاحب کون سا مرتبہ اور مقام رکھتے تھے۔

جناب حضرت شیخ رحمکار صاحب المعروف جناب کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اور اولیاء اللہ کے زمرۂ مبارکہ میں اعلیٰ ترین اور خاص مقام رکھتے تھے۔ اور تصوف و سلوک کی زبان میں فرد اور قطبِ حقیقی تھے۔ اور قطب وحدت یعنی قطب منتہیٰ جو کہ قطبیت کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے اور معشوقیت کے مقام تک رسائی حاصل فرما چکے تھے۔ بحر المعانی میں تحریر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معشوق جو کہ عموماً لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں، اُن کو اہلِ حقیقت کے بغیر جبکہ یہ خود ہی حقیقت ہوتے ہیں کوئی دوسرا ان کو نہیں دیکھ پاتا، اور نہ کوئی ان کو پہچانتا ہے اور اس مبارک گروہ میں سات آدمی ہیں۔ سرور کونین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "بَدَلَاءُ اُمَّتِی سَبْعَةٌ" (لَمْ اَجِدْ هٰذَا الحَدِیْثَ) یعنی میری اُمت کے ابدال سات ہیں۔ اور یہ سات ابدال سات اقلیموں یعنی ممالک میں ہوتے ہیں۔ ہر ابدال ایک اقلیم میں ہوتا ہے۔ جس وقت کہ لوگ عاجز و درماندہ ہو جاتے ہیں تو ابدال کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اُن کی امداد اور معاونت کرے اور جب اُس قوم میں کوئی کامل درویش ہو تو اُس درویش کی خاطر اُس قوم کی فریاد رسی کی جاتی ہے۔ اور جب ان ابدال میں سے کوئی صاحب بقضائے الٰہی انتقال کر جاتے ہیں اور عالمِ بقا کا سفر اختیار فرماتے ہیں تو صوفیائے کرام میں سے کسی ایک کو لے کر مرحوم کی جگہ مقرر کیا جاتا ہے۔ اور اُس مرحوم کا جو نام ہوتا ہے تو اُس کو اسی نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور سات ابدالوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں اور یہ سات افراد سات پیغمبروں کے مشرب پر ہوتے ہیں۔ ان میں ایک اقلیمِ اوّل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ہوتا ہے اور اس کا نام عبد الحی ہے۔ دوسرا فرد اقلیم دوم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب مبارک پر ہوتا ہے اور اس کا نام عبد اللہ ہے۔ تیسرا فرد اقلیم سوم میں حضرت ہارون علیہ السلام کے قلب مبارک پر ہوتا ہے اور اُس کا اسم عبد المرید ہے۔ چوتھا فرد اقلیم چہارم حضرت ادریس علیہ السلام کے قلب مبارک پر ہوتا ہے اور اس کا نام عبد القادر ہے۔ پانچواں فرد اقلیم پنجم میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قلب مبارک پر ہوتا ہے اور اس کا نام عبد

القاہر ہے۔ چھٹا فرد اقلیم ششم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قلب پر ہے اور اس کا نام عبد السمیع ہے۔ ساتواں فرد اقلیم ہفتم میں حضرت آدم علیہ السلام کے قلب مبارک پر ہوتا ہے اور اُس کا نام عبد البصیر ہے۔

جناب محمد حسین ابن نصیر الدین جو کہ بحر المعانی کے مصنف ہیں اور وہ خود افراد حق میں سے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں دوران سفر اُن کا ساتھی تھا اُن ابدالوں میں سے ہر ایک معارفِ الٰہی اور لطائف کا عارف تھا۔ اور ساتوں ستاروں میں اللہ تعالیٰ نے جو اسرار ودیعت کر رکھے ہیں وہ سب تاثیر ان ابدالوں کی ذات گرامی میں موجود تھی۔

اقالیم، اقلیم کی جمع ہے اور اقلیم ربعِ مسکون کا ساتواں حصّہ ہے۔ اور ربعِ مسکون تمام زمین کے چوتھائی حصّہ کو کہتے ہیں۔ اور تمام ربعِ مسکون نوے (90) درجے ہے۔ جس میں باسٹھ درجے جھلسائی ہوئی زمین اور برف کے پہاڑ ہیں، اس میں جاندار زندگی نہیں گزار سکتے اور اُس میں زندہ رہنا اور آبادی ممکن نہیں۔ اور ربعِ مسکون میں سے اٹھائیس درجے قابلِ آبادی ہیں اور زمین کا چوتھائی حصّہ دریائے محیط کے نیچے ہے اور زمین کے نصف حصّے کی حقیقت معلوم نہیں۔ اور علم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور اس حصے کو نیچے کی زمین (زمین تحت) کہتے ہیں۔ اور تمام زمین کو حُکما نے ایک سو ساٹھ درجے مقرر کیا ہے، پس ہر اقلیم ایک ستارے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ ہندوستان زحل کے ساتھ، چین مشتری کے ساتھ اور ترک مریخ کے ساتھ، خراسان شمس کے ساتھ اور ماوراء النہر زہرہ کے ساتھ، روم عطارد کے ساتھ اور بلخ قمر کے ساتھ منسوب ہے ابدال پہاڑوں میں سکونت پذیر ہوتے ہیں۔ اُن کی خوراک درختوں کے پتے اور صحرا کی ٹڈی (ملخ) ہوتی ہیں۔ اور یہ کمال معرفتِ ایزدی رکھتے ہیں، اور حالت طیر اور حالت سیر نہیں رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

"إِنَّ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِي الْخَلْقِ ثَلَاثَمِائَةٍ قَلْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَلِلّٰهِ فِي الْخَلْقِ أَرْبَعُونَ قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَلِلّٰهِ فِي الْخَلْقِ سَبْعَةٌ قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَلِلّٰهِ فِي الْخَلْقِ خَمْسَةٌ قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَلِلّٰهِ فِي الْخَلْقِ ثَلَاثَةٌ قُلُوْبُهُمْ عَلَى قَلْبِ مِيكَائِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَلِلّٰهِ فِي الْخَلْقِ وَاحِدٌ قَلْبُهُ عَلٰى قَلْبِ إِسْرَافِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَإِذَا مَاتَ

الْوَاحِدُ أَبْدَلَ اللهُ مَكَانَهُ مِنَ الثَّلَاثَةِ، وَإِذَا مَاتَ مِنَ الثَّلَاثَةِ أَبْدَلَ اللهُ مَكَانَهُ مِنَ الْخَمْسَةِ، وَإِذَا مَاتَ مِنَ الْخَمْسَةِ أَبْدَلَ اللهُ مَكَانَهُ مِنَ السَّبْعَةِ، وَإِذَا مَاتَ مِنَ السَّبْعَةِ أَبْدَلَ اللهُ مَكَانَهُ مِنَ الْأَرْبَعِينَ، وَإِذَا مَاتَ مِنَ الْأَرْبَعِينَ أَبْدَلَ اللهُ مَكَانَهُ مِنَ الثَّلَاثِمِائَةِ، وَإِذَا مَاتَ مِنَ الثَّلَاثِمِائَةِ أَبْدَلَ اللهُ مَكَانَهُ مِنَ الْعَامَّةِ"

(الحاوی للفتاوی للسیوطی، جلد 2، رقم الصفحۃ: 298، دار الفکر، بیروت)

ترجمہ: مخلوق میں ابدال کی تعداد تین سو ہے جن کے دل حضرت آدم علیہ السلام کے دل کی طرح ہوتے ہیں۔ اُن میں چالیس کے دل موسیٰ علیہ السلام کے دل کی مانند ہوتے ہیں۔ اور سات ابدال ایسے ہوتے ہیں جن کے دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کی طرح ہوتے ہیں۔ پانچ کے دل حضرت جبریل علیہ السلام، تین کے دل میکائیل علیہ السلام کے دل کی مانند ہوتے ہیں۔ اور ایک ایسا ہوتا ہے جس کا دل اسرافیل علیہ السلام کے دل کی مانند ہوتا ہے۔ جب یہ ایک ابدال فوت ہو جائے تو اس کی جگہ اُن تین ابدالوں میں سے ایک سے پُر کی جاتی ہے۔ اور جب تین میں سے کوئی چل بسے تو پانچ میں سے کسی ایک سے تبدیل کی جاتی ہے۔ اور جب پانچ میں سے کوئی فوت ہو جائے تو سات کے گروہ میں سے کسی ایک سے پُر کی جاتی ہے۔ اور جب سات میں سے کوئی راہی عالمِ بقا ہو جائے تو چالیس کی جماعت سے اُس کے مقام کی خانہ پُری کی جاتی ہے۔ اور جب چالیس میں سے کوئی سفر آخرت پر چل بسے تو تین سو میں سے کسی کو اُس کی جگہ مقرر کیا جاتا ہے۔ اور جب ان تین سو میں سے کوئی وداع فرمائے تو عام مسلمانوں میں سے کسی کو ان کے مقام پر تعینات کیا جاتا ہے۔

اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس اُمت کے مصائب رفع کرتے ہیں۔ پس وہ تین سو ابدال جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دل پر ہیں اُن کا وظیفہ حضرت آدم علیہ السلام کا وظیفہ ہوتا ہے یعنی: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (الاعراف: 23) کا ورد جاری رکھتے ہیں۔ اور وہ چالیس ابدال جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب مبارک پر ہیں تو ان کا وظیفہ موسیٰ علیہ السلام کا وظیفہ: ﴿إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ﴾ (القصص: 16) ہوتا ہے۔ اور سات ابدال جو کہ قلبِ ابراہیم علیہ السلام پر ہیں ان کا ورد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ورد: ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ أَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾

(الشعراء: 83) ہوتا ہے۔ اور پانچ ابدال جو کہ جبریل علیہ السلام کے قلب پر ہیں تو ان کا علم جبریل علیہ السلام کے علم سے تجاوز نہیں کرتا۔ اور تین ابدال جو کہ میکائیل علیہ السلام کے قلب مبارک پر ہیں اُن کا علم میکائیل علیہ السلام کے علم سے متجاوز نہیں ہوتا۔ اور ایک ابدال جو کہ اسرافیل علیہ السلام کے قلب پر ہے اس کا علم بھی اسرافیل علیہ السلام کے علم سے تجاوز نہیں کرتا۔ اور اُن تین سو ابدال جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دل پر ہیں اُن کو صفی کہتے ہیں۔ اور چالیس جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب پر ہیں ان کا نام موسیٰ ہے۔ اور اُن سات کہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلبِ مقدس پر ہیں اُن کا نام ابراہیم ہے۔ اور وہ پانچ جو کہ جبریل علیہ السلام کے قلب پر ہیں اُن کا نام جمال الدین ہے اور وہ تین جو کہ حضرت میکائیل علیہ السلام کے قلب پر ہیں ان کا نام محمد ہے۔ اور ایک جو اسرافیل کے قلب پر ہے احمد نام رکھتا ہے۔ اور جب احمد نام والا قطبیت کے مرتبے پر پہنچ جائے تو اس کا نام عبد الرّب ہو جاتا ہے۔ اور دنیا کے چاروں کونوں میں چار اوتاد ہوتے ہیں۔

تشریح:

یہ اصل میں تکوینی نظام کا حصہ ہے۔ ہمارے بزرگ تنظیم الحق حلیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے بعض دفعہ یہ باتیں سنائی دیتی تھیں تو ہمارے شیخ مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ان کی یہ بات لائی گئی تو انہوں نے فرمایا: یہ باتیں نہیں کرنی چاہئیں، پہلے تو نفی فرمائی پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا: ہے تو اس طرح ہی لیکن کہنا نہیں چاہیے کیونکہ لوگ ان باتوں کو نہیں سمجھتے، خواہ مخواہ تذبذب کا شکار ہوجاتے ہیں۔ ظاہر ہے جو چیز چھپی ہوئی ہو، اس کو آپ کیسے سمجھیں گے؟ سائنس سے آپ روز بروز پردے ہٹاتے ہیں کہ پہلے یہ چیز تھی اور اب یہ ہے۔ پہلے کہتے تھے ایٹم ناقابلِ تقسیم ذرہ ہے پھر کہا ایٹم بھی تقسیم ہو سکتا ہے، اس میں نیوٹران بھی ہوتا ہے، پروٹران بھی ہوتا ہے، الیکٹران بھی ہوتا ہے اور کوئی کہتا ہے نیوٹران بھی قابلِ تقسیم ہوتا ہے اور یہ ہوتا ہے، وہ ہوتا ہے وغیرہ۔ نویں جماعت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایٹم ناقابلِ تقسیم ذرہ ہے تو نویں جماعت کے طالبِ علم کو کہا جائے کہ ایٹم کے اندر الیکٹران وغیرہ بھی ہوتیں تو وہ سمجھے گا؟ میرے خیال میں وہ ایٹم بھی نہیں سمجھے گا۔ اسی طرح عوام کے لئے یہ باتیں نہیں ہیں وہ ان باتوں کو نہیں

سمجھ سکتے لہٰذا ان کے اوپر حجت بھی نہیں ہے۔ نہ پوئے نہ گُرم یعنی "نہ سمجھ آئے تو پوچھا بھی نہیں جائے گا۔" یعنی جو "پوئے" ہو گا تو اس سے پوچھا جائے گا۔ تو اس قسم کی چیزوں کا نہ معلوم ہونا عوام کے لئے بہتر ہے۔ اور جو اس line کے لئے کسی درجے میں قریب آتے ہیں تو پھر ان کو بتایا جاتا ہے، سکھایا جاتا ہے اور اس بارے میں تعلیم کی جاتی ہے۔ چنانچہ ہمارا پہلا کام شریعت ہے، بس شریعت پر عمل ہو جائے۔

حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: بھئی بزرگوں کی باتیں چھوڑو، ہم بزرگ نہیں ہیں، بزرگ ہوتے تو بزرگوں میں پیدا کئے جاتے۔ بس اتنا ہو کہ گناہ نہ کریں، اب صبح سے شام تک آپ بزرگی بزرگی کی رٹ لگاتے رہیں اور آپ سے مسلسل گناہ ہو رہے ہیں تو وہ بزرگی کیا جو گناہوں کے ساتھ ہو؟ جیسے قلب کے گناہ، جسم کے گناہ، آنکھوں کے اور کانوں کے گناہ، ان سے بچنا ضروری ہے۔ اللہ جل شانہ ہم سب کو بچائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

مختصرات سلوک

مختلف سلاسل کے طُرُقِ تربیت

اللہ تعالی تک پہنچنے کے اتنے ہی طرق ہیں جتنے لوگ ہیں، لیکن اگر ان سارے طریقوں کو کسی اصول کے تحت لانے کی کوشش کی جائے تو اب تک ایسے دو بڑے طریقے معرض وجود میں آئے ہیں۔

وصول الی اللہ کے دو طریقے:

1. ایک طریقہ یہ ہے کہ علاجی مجاہدات کے ذریعے سالک کے نفس کی تہذیب کر کے اسے شرعی مجاہدات کے لئے تیار کیا جائے۔ یہ طریقہ نقشبندیہ کا ہے۔

یہ طریقہ درج ذیل حدیث شریف سے مستنبط ہے، رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيئَةً نُكِتَتْ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ، فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهُ، وَإِنْ عَادَ زِيدَ فِيهَا حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهُ"۔ (سنن ترمذی: 3334)

ترجمہ: "بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے، پھر جب وہ گناہ کو چھوڑ دیتا ہے اور استغفار اور توبہ کرتا ہے تو اس کے دل کی صفائی ہو جاتی ہے (سیاہ دھبہ مٹ جاتا ہے) اور اگر وہ گناہ دوبارہ کرتا ہے تو سیاہ نکتہ مزید پھیل جاتا ہے یہاں تک کہ پورے دل پر چھا جاتا ہے"۔

اس حدیث مبارکہ کے مطابق جب دل زیادہ سیاہ ہو جاتا ہے تو پھر اس پہ نصیحت اثر نہیں کرتی۔

2. دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ذکر کے ذریعے دل کو نرم اور گرم کیا جائے پھر قوّتِ عازمہ کے ذریعے شرعی مجاہدات پر عزیمت کے ساتھ عمل کروا کے نفس کی تہذیب کی جائے۔ یہ طریقہ قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ تینوں سلاسل کا ہے۔

اس طریقے میں درج ذیل حدیث شریف سے استفادہ کیا گیا ہے جس میں رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ

كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ" (صحیح بخاری:52)

ترجمہ: "سن لو بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو گا سارا بدن درست ہو گا اور جہاں وہ بگڑا سارا بدن بگڑ گیا۔ سن لو وہ ٹکڑا آدمی کا دل ہے"۔

ان دونوں طریقوں کو مثال کے ذریعے سمجھیں۔ شرعی مجاہدہ یہ ہے کہ غیر محرم کو نہیں دیکھنا۔ اگر کسی آدمی کا نفس اس حکم پر عمل کرتے ہوئے یہ مجاہدہ کرنے پر تیار نہیں ہوتا تو اسے اس شرعی حکم پر لانے کے لئے ایک طریقہ یہ ہے کہ پہلے علاج کے طور پر اس سے ایک اضافی مجاہدہ کروایا جائے گا، اس مجاہدہ کو غض بصر کا مجاہدہ کہتے ہیں۔ اس مجاہدہ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے دن پانچ منٹ اپنے کمرے میں بیٹھ کر نیچے دیکھیں اوپر نہ دیکھیں، اگلے دن اس مشق کو بڑھا کر چھ منٹ کر لیں، اس سے اگلے دن سات منٹ اور اس سے اگلے دن آٹھ منٹ کر لیں، اس کو بڑھاتے بڑھاتے پچیس منٹ تک پہنچا دیں۔ اس کے بعد یہ مجاہدہ باہر لوگوں کے درمیان رہ کر اسی طرح پانچ منٹ سے شروع کر کے روزانہ ایک ایک منٹ بڑھاتے بڑھاتے پچیس منٹ تک لے جائیں۔ اس سے آپ کے اندر یہ صلاحیت پیدا ہو جائے گی کہ آپ نا محرم کو نہیں دیکھیں گے۔

قدیم بزرگ سالکین کو سلوک پر چلانے کے لئے یہی طریقہ اختیار کرتے تھے یعنی اضافی اور علاجی مجاہدات کے ذریعے آہستہ آہستہ سالک کو شرعی مجاہدات پر لے آتے تھے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایسا آدمی جس کے لئے غیر محرم کو دیکھنے سے بچنا مشکل ہو رہا ہے، اس میں اتنا جذب و شوق اور محبت پیدا کرو کہ وہ اس جذبہ اور محبت کے تحت بغیر کسی مجاہدہ کے اس شرعی حکم پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جائے اور عمل کرنا شروع ہو جائے۔ بہ الفاظ دیگر شرعی حکم اور شرعی مجاہدہ پر عزیمت کے ساتھ عمل کیا جائے اس میں رخصت اختیار نہ کی جائے۔

دونوں طریقوں میں سے کونسا درست ہے؟

دونوں طریقوں میں سے کوئی غلط نہیں ہے بلکہ دونوں ہی درست ہیں۔ اگر حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے طریقہ کی تعریف فرما رہے ہیں تو یہ کوئی غلط بات نہیں ہے۔ ان کو یہی طریقہ زیادہ آسان، بہتر اور سہل الحصول لگ رہا ہے اس لئے وہ اس طریقہ کو

بہتر قرار دے رہے ہیں۔ اسی طرح دوسرے حضرات کو مجاہدہ والا طریقہ زیادہ بہتر لگ رہا ہے لہٰذا وہ اس کو ترجیح دے رہے ہیں۔ دونوں میں سے کوئی طریقہ غلط نہیں ہے، دونوں طریقے دین کے بنیادی اصولوں کے مطابق بالکل درست ہیں اور دونوں طریقے صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے مستفاد ہیں۔

ہم نقشبندی طریقہ کے لئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اصلاح آپ ﷺ کی صحبت کی وجہ سے آناً فاناً ہو گئی تھی، اور اس کو ہم جذب سے تشبیہ دیتے ہیں گو کہ جذب کی اصطلاح ہم جیسے بیماروں کے لئے ہے، صحابہ کرام کی فوری اصلاح کو ہمارے جذب کی طرح کہنا ممکن نہیں لیکن ہمارے جذب اور صحابہ کے جذب میں مشابہت ضرور ہے، اگر اس مشابہت کی بنا پر ہم نقشبندی طریقہ کو صحابہ والا طریقہ کہہ سکتے ہیں تو دوسرے طریقہ کی مشابہت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کے ساتھ موجود ہے، بغیر کسی شک کے اسے بھی صحابہ والا طریقہ کہا جا سکتا ہے۔ صحابہ کرام کے لئے احکامات جس ترتیب سے اترے، اس میں اللہ تعالیٰ نے جو تدریج کا پہلو اختیار فرمایا ہے اس کی مشابہت سلوک سے ہی ہے، وہ صحابہ کرام کا سلوک تھا۔ لہٰذا ہم یہاں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا سلوک گو کہ ہم جیسے بیماروں کے لئے ہے لیکن اِسے اُس تدریج کے ساتھ مشابہت ضرور ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے شرعی احکام کے نزول میں اختیار کی گئی تھی۔ جیسے صحابہ کرام کو تدریجاً احکامِ شریعت پر لایا گیا اسی طرح اِس طریقے میں مشائخ سالک کو تدریجاً مجاہدے اور ریاضتیں کروا کروا کے شرعی مجاہدے پر لاتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقے سے مشابہت رکھتا ہے اور الٰہی تربیت کے زیر اثر ہے۔ بہر حال جنہیں جو طریقہ بہتر نظر آیا اُنہوں نے اُسی کو اختیار کر لیا۔

جب اللہ تعالیٰ کسی پر کوئی مشکل عقدہ کھول دیتے ہیں تو اسے خوشی ہوتی ہے اور وہ خوشی سے اُس کو بیان کرتا ہے۔ ہم بھی خوشی سے بیان کر رہے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی خوشی سے بیان کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو اصلاح کا طریقہ عنایت فرمایا تو اُنہوں نے بھی خوشی سے بیان کیا، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی خوشی سے بیان کیا اور حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے سلسلے کی باتیں خوشی سے بیان فرماتے ہیں۔

اللہ پاک جب کسی ہستی پر ایسی کوئی چیز واضح کرتے ہیں اس کا فائدہ سب سے پہلے جن لوگوں کو دیا جاتا ہے وہ زیادہ تر اس شخصیت کے متعلقین، شاگردان و مریدین ہوتے ہیں۔ اسی کو مناسبت کہتے ہیں۔ اُن لوگوں کو چونکہ اس ہستی کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اس لئے انہیں زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔

بس اتنی سی بات تھی جس پر لوگوں نے اتنی بڑی بڑی خیالی عمارتیں قائم کر لیں کہ آپس میں لڑائیاں شروع کر دیں حالانکہ یہ لڑنے کی باتیں نہیں ہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ نے ایک بہت ہی خوبصورت نظام بنایا ہے اس سے فائدہ لینا چاہیے۔ اپنی طرف سے ان کے درمیان صحیح و غلط اور راجح و مرجوح کے فیصلے نہیں کرنے چاہئیں، بھلا ہم کون ہیں کہ ان کے درمیان فیصلہ کریں۔ اُنہوں نے جو سوچا وہی کیا اور ٹھیک کیا۔ دونوں طریقوں سے وصول الی اللہ ہو سکتا ہے لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ سارے طریقے ٹھیک ہیں بس مناسبت کی بات ہے۔

البتہ اگر بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ صرف ہم ٹھیک ہیں اور باقی طریقے کم درجہ کے ہیں تو یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس سے بے ادبی کی شاخیں نکلتی ہیں، اس سے بچنا ہم سب کے لئے لازم ہے۔ الحمد للہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے سب سلسلوں کی برکات نصیب فرمائی ہیں لہٰذا ہمیں کوئی اشکال نہیں ہے، ہمارے نزدیک دونوں ترتیبیں شرعی اور مسنون ہیں۔

مذکورہ بالا دونوں طریقوں (جذب، سلوک) کی آسانیاں اور مشکلات:

مذکورہ بالا دونوں طریقوں میں اپنی اپنی آسانیاں ہیں اور اپنی اپنی مشکلات ہیں۔

سلوک میں تدریج ہے اور جذب میں تیزی ہے، سلوک میں کام آہستہ آہستہ ہوتا ہے جبکہ جذب میں بہت تیزی سے ہوتا ہے اور بعض اوقات دفعتاً ہو جاتا ہے۔

جذب میں آسانی اور خوبی یہ ہے کہ نتیجہ جلدی حاصل ہوتا ہے اور اس کی مشکل یہ ہے کہ اس میں بھٹکنے کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے: "جذب مختصر ہے لیکن پُر خطر ہے"۔

جبکہ سلوک کے طریقے میں آسانی یہ ہے کہ یہ طریقہ محفوظ ہے یہ اس کا فائدہ ہے، لیکن یہ بہت طویل المدت ہو جاتا ہے یہ اس کی مشکل ہے۔

دونوں طریقوں میں تطبیق اور جدید ترتیب:

اگر ان دو طریقوں کو اس طرح جوڑا جائے کہ ان دونوں کے فوائد حاصل ہوں اور

دونوں کی مشکلات سے حفاظت رہے تو یقیناً یہ ایک بہت اچھا تجربہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں ایسا ہی طریقہ نصیب فرمایا ہے کہ ہم سالک کو اس طرح چلاتے ہیں کہ وہ جذب کا فائدہ اٹھا کر منزل جلدی طے کرتا ہے، ساتھ ساتھ اس کا سلوک طے ہوتا رہتا ہے جس سے نفس کی اصلاح ہوتی رہتی ہے۔ اس طرح دونوں کے فوائد حاصل ہو جاتے ہیں اور دونوں کے نقصانات سے حفاظت رہتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پہلے چشتی تھے بعد میں نقشبندی ہوئے، اس طرح پہلی بار چشتی اور نقشبندی سلسلہ مل گیا۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے نقشبندی مجددی سلوک مکمل کیا اور اس میں مجاز ہوئے، بعد میں منامی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ میاں جی نور محمد جھنجانوی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں دے دیا، ان سے حاجی صاحب کی چشتی سلسلے میں بھی تکمیل ہوئی اور اجازت و خلافت بھی عطا ہوئی۔ گویا کہ اللہ پاک کی طرف سے پہلے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی چشتی نسبت کے ساتھ نقشبندی نسبت کو بھرپور انداز میں ملایا گیا، پھر اس نسبت کو حاجی صاحب تک پہنچا کر دوبارہ چشتی طریقے کی طرف لوٹایا گیا تاکہ اس میں نقشبندیت کی ساری خوبیاں تو قائم رہیں لیکن جذب کی مشکلات (جن کا ذکر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات شریفہ میں مکتوب نمبر 287 جلد نمبر 01 میں کیا ہے) سے حفاظت رہے۔

جدید ترتیب کی خوبیاں:

اب حضرت حاجی صاحب سے جو سلسلہ آگے چلا ہے اور اب تک چل رہا ہے وہ چشتیت و نقشبندیت کا حسین امتزاج ہے جو اپنے اندر درج ذیل خوبیاں رکھتا ہے:

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے میں چشتیت و نقشبندیت کی خوبیاں موجود ہیں۔

اس میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی طریقوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

اس میں جذب کے فوائد بھی ہیں گو کہ اس کے حصول کا رنگ مختلف ہے۔

اس میں سلوک کا ایک باقاعدہ نظام بھی ہے جس میں نفس کے رذائل سے بتدریج چھٹکارا حاصل کیا جاتا ہے۔

ان سب باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بڑے محفوظ سلسلے میں رکھا ہے۔

اس سلسلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ پہلے سلسلہ نقشبندیہ میں علماء زیادہ ہوتے تھے اور سلسلہ چشتیہ میں فدائین زیادہ ہوتے تھے۔ چونکہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ترتیب میں چشتیہ و نقشبندیہ سلسلے مل گئے اس لئے آپ دیکھیں گے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ و مریدین میں دونوں قسم کے حضرات ہیں، دین پر جان قربان کر دینے والے فدائین بھی ہیں اور جید درجہ کے علماء بھی ہیں۔ دیوبند کی مثال دیکھ لیں۔ دیوبند کی ابتداء حضرت حاجی صاحب سے ہوئی، شاملی کے معرکہ میں حضرت حاجی صاحب خود شامل تھے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ شامل تھے، حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ شامل تھے، حضرت حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ اُسی معرکہ میں شہید ہوئے تھے۔ یہ جو چار پانچ نام ذکر ہوئے ہیں آپ دیکھیں یہ سب حضرات بڑے درجہ کے علماء بھی ہیں اور اگلی صفوں میں جہاد بھی کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس سلسلہ میں فدائیت بھی ہے اور علم بھی ہے۔ دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔

افغانستان کے جہاد کی سرپرستی بھی دیوبندی حضرات نے کی ہے۔ ملا عمر، حقانی صاحب اور دوسرے حضرات یہ سب دیوبندی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے جہاد کے میدان میں بھی کام لیا ہے اور علم کے میدان میں بھی خوب کام لیا ہے۔ اس وقت پوری دنیا کے اندر محفوظ علم دیوبند کے ذریعے ہی پھیل رہا ہے۔ یہ سب نتائج نقشبندیت کو چشتیت کے ساتھ جوڑنے سے حاصل ہوئے ہیں۔ اس نئے طریقے میں جتنا جذب ہے اُتنا سلوک ہے اور جتنا سلوک ہے اتنا ہی جذب ہے، ساتھ ساتھ جذب حاصل کیا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ اسے سلوک میں استعمال بھی کیا جاتا ہے۔

ہم یہی طریقہ استعمال کرتے ہیں، پہلے سالک میں جذب پیدا کیا جاتا ہے، جب اس میں اتنا جذب آ جاتا ہے کہ سلوک پر چل سکے تب سلوک پر چلانا شروع کر دیتے ہیں۔ استعداد کے مطابق سلوک طے کرواتے ہیں، زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے آپ کے پاس ایک میدان گندگی سے بھرا ہوا ہو اور آپ کو اس میں کچھ کاشت کرنا ہو تو بہتر طریقہ یہی ہو گا کہ پہلے اس میدان کا کچھ حصہ

صاف کریں، اس میں کاشتکاری کریں، جو پیداوار ہو اس سے آمدن حاصل کر کے میدان کا کچھ اور حصہ صاف کریں پھر اس میں بھی کاشتکاری کریں، اس طرح بتدریج سارا میدان صاف اور زرخیز ہو جائے گا، کاشتکاری کے قابل ہو جائے گا پھر اس سے پھل پھول اور پیداوار بھی مل جائے گی۔ یہی ترتیب اس سلسلے کی ہے کہ غیر محسوس انداز میں ترقی بھی ہوتی ہے اور محنت بھی جاری رہتی ہے۔ اس سے بزرگی کی مشکل گھاٹی کے خطرات سے کافی حد تک بچت کا سامان بھی ہو جاتا ہے۔ اگر صرف جذب پر ہی چلایا جائے تو بعض دفعہ سالک اپنے مراقبات اور کیفیات سے اپنے آپ کو بزرگ سمجھ لیتا ہے، اسے اس بزرگی کے خیال سے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہمارے ہاں سالک کو جذب سے جو کیفیت ملتی ہے اسے سلوک میں خرچ کروا دیتے ہیں جس کے نتیجے میں اسے اپنی کمی کا احساس ہونے لگتا ہے کیونکہ سلوک میں نفس کی مزاحمت سامنے ہوتی ہے جس سے سالک اپنی اوقات میں رہتا ہے۔

کسی بھی سلسلے کی تنقیص درست نہیں:

دیکھا گیا ہے کہ اپنے سلسلے کی محبت میں بعض حضرات دوسرے سلاسل کی تنقیص کر دیتے ہیں۔ یہ بہت بری حرکت ہے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ہر سلسلے کے اپنے اپنے فوائد، آسانیاں اور مشکلات ہیں۔ بالخصوص بعض حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے سلسلے میں جہاں سے ابتدا ہوتی ہے وہاں سے دوسروں کی انتہا ہوتی ہے۔ اس کے الفاظ تو درست ہیں لیکن اس کی حقیقت وہ نہیں ہے جو ایسے لوگوں نے سمجھی ہے۔

در حقیقت پہلے اختیاری اور اضافی مجاہدات کے ذریعے سلوک طے کرایا جاتا تھا جس سے سالک میں شرعی مجاہدات برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا کی جاتی تھی اور بعد میں جذب عطا کیا جاتا جس سے نفس قابو میں آجاتا تھا لیکن جب لوگوں میں اتنی طلب نہیں رہی کہ ان کو براہ راست سلوک طے کرایا جا سکے تو حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ سے مانگا کہ مجھے کوئی مختصر طریقہ القا کیا جائے جس سے لوگوں میں سلوک طے کرنے کی ہمت اور شوق پیدا ہو، تو اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں جذبِ کسبی حاصل کرنے کا طریقہ القا فرمایا۔ اس طریقہ میں جذبِ کسبی کے حصول کے بعد براہ راست شرعی مجاہدات کے ذریعے ہی سلوک طے کرایا جاتا ہے اور رخصت کی بجائے عزیمت اختیار کروائی جاتی

ہے اور سالکین کو ریاضت، قناعت، تقویٰ، صبر، زہد اور توکل کا خوگر بنا کر تمام اوامر و نواہی کو دل سے تسلیم کروانے کا انتظام کر کے نفس کو راضی کر کے نفسِ مطمئنہ کی کیفیت حاصل کی جاتی ہے۔

یقیناً یہ راستہ جدید ہے اور اگر اس پر صحیح عمل ہو سکے تو مختصر بھی ہے اور طریقِ صحابہ پر جلد ڈالنے والا ہے لیکن شیطان نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔ اس نے بجائے اس کے کہ اس پر ٹھیک ٹھیک عمل ہوتا، بزرگوں کے ان اقوال کی بنیاد پر ایسے لوگوں کو ابتدا سے ہی بزرگی کی تھپکی دی جس کے نتیجہ میں انہوں نے "پدرم سلطان بود" کے طرز پر عمل تو اپنے بڑوں کا اختیار نہیں کیا لیکن ان جیسے نتائج کے دعوے دار ضرور ہوئے۔ یقیناً یہ بات قابلِ اصلاح ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب، مکتوب نمبر 287 جلد نمبر 01 میں اسی غلط فہمی کی درستگی کی کوشش فرمائی ہے۔

کلام

سب کی اک بات ہے یہ بات سمجھ
دن کو دن کہنا رات کو رات سمجھ

سب یہ کہتے ہیں اس کا بن جانا
اس کو ہی قاضی الحاجات سمجھ

سب کہیں آپ ﷺ کے بارے میں آپ ﷺ کو
خیر الخلائق موجودات سمجھ

سب نفس و قلب کی صفائی کے داعی
سب کہیں یہ اس میں نجات سمجھ

گو مختلف ہوں طریقے ان کے
وجہ اس کی جو ہے حالات سمجھ

خیر موجود ہے شر کے ماحول میں
اس کو بس ان کی برکات سمجھ

سارے اچھے ہیں سب کی قدر کریں
ہر ایک کو ام الحسنات سمجھ

جس کو فائدہ ہو جس سلسلے سے بھی
اس کو اس کے لئے سوغات سمجھ

باقی، باقی کے واسطے ٹھیک سمجھیں
یہ من امور مھمات سمجھ

یہی طریقہ شبیرؔ معتدل ہے
اس لئے اچھے یہ خیالات سمجھ

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ کے شب و روز

الحمد للہ خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ میں حضرت سید شبیر احمد کاکا خیل صاحب دامت برکاتہم کے دروس و خطبات کا سلسلہ نہایت پابندی کے ساتھ جاری و ساری ہے جس سے طالبانِ حق مسلسل سیراب ہو رہے ہیں۔ دروس کی تفصیل درج ذیل ہے:

روزانہ کے بیانات اور معمولات

1۔ "درسِ قرآن پاک"

2۔ "مطالعہ سیرت بصورتِ سوال"

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ میں روزانہ فجر کی نماز کے بعد حضرت سید شبیر احمد کاکا خیل صاحب دامت برکاتہم کی طرف سے قرآن پاک کا درس دیا جاتا ہے، اس کے متصل بعد مطالعہ سیرت بصورت سوال کے عنوان سے سیرت سے متعلق ایک سوال کا جواب دیا جاتا ہے۔

3۔ ٹیلی فون پر بات:

روزانہ 2 سے 3 بجے تک کا وقت (سوائے جمعہ کے) حضرت شاہ صاحب دامت برکاتہم سے ٹیلی فون پر بات کرنے کے لیے مختص ہے۔

ہفتہ وار ہونے والے بیانات و معمولات:

1۔ جمعہ:

ہر جمعہ حضرت شاہ صاحب مدظلہ کسی ایک مسجد میں جمعہ کا خطاب فرماتے ہیں۔

I. 02-09-2022 کو جامع مسجد الکوثر ریلوے ہسپتال میں حضرت مدظلہ کا جمعۃ المبارک کا بیان ہوا۔ موضوع تھا۔**ماہ صفر میں رائج رسومات کی حقیقت اور موجودہ عذاب کی وجوہات۔**

II. 09-09-2022 کو جامع مسجد مدنی کھنہ بل میں حضرت مدظلہ کا جمعۃ المبارک کا بیان ہوا موضوع تھا۔**موجودہ عذاب سے بچنے کا طریقہ۔**

III. 16-9-20222 کو جامع مسجد فیڈرل بورڈ اسلام آباد میں حضرت مدظلہ کا جمعۃ

المبارک کا بیان ہوا۔ موضوع تھا۔ **سنت کا اہتمام۔**

IV. 23-09-20222 کو جامع مسجد مدنی جی۔11 میں حضرت مدظلہ کا جمعۃ المبارک کا بیان ہوا۔ موضوع تھا۔ **امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔**

بعد نمازِ عصر ختم قرآن، مجلس درود شریف اور اس کے بعد جمعہ کی آخری گھڑیوں میں دعا کی جاتی ہے جو کہ آن لائن نشر بھی کی جاتی ہے۔

3۔ ہفتہ:

ہر ہفتہ کے دن نمازِ عصر کے بعد سے اتوار کی صبح اشراق کی نماز تک مرد حضرات کے لئے اصلاحی جوڑ ہوتا ہے جس میں درج ذیل معمولات کیے جاتے ہیں۔

عصر کی نماز کے بعد انفرادی ذکر

بعد نماز مغرب حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "سلوکِ سلیمانی" اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تربیت السالک" کا درس، اس کے بعد اجتماعی ذکر و دعا۔

بعد نماز عشاء ختم خواجگان، درود شریف کی مجلس۔

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اسوۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" سے تعلیم، کھانے پینے اور سونے کے آداب کا مذاکرہ۔

اتوار:

11 سے 12 بجے تک خواتین کے لیے شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ اصلاحی بیان۔

دوپہر 02 بجے سے 03:30 تک بچوں کی تربیت کا پروگرام۔

بعد نماز مغرب فرض عین علم کی تعلیم۔

رات آٹھ بجے انگریزی میں بیان۔

پیر:

بعد نمازِ عصر خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ میں پشتو میں بیان۔

1. 05-09-2022۔ دَ صفرې میاشت او د هغې غلط فهمی۔

2. 12-09-2022۔ دَ نن صبا حالاتو کښې دَ توبې اهمیت۔
3. 19-09-2022۔ په نیکۍ امر کول او دَ بدو منع کول۔

بعد نماز مغرب اپنی اصلاح و تربیت کے متعلق (بذریعہ واٹس ایپ، ای میل، ٹیلی فون پر موصول ہونے والے) سوالات کے جوابات۔

منگل:

بعد نمازِ مغرب درس مثنوی شریف۔

بدھ:

بعد نمازِ مغرب درس مکتوبات شریفہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔

جمعرات:

بعد نماز مغرب علامہ شبلی نعمانی اور حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کا درس اور درود شریف کی مجلس۔

ماہانہ بنیادوں پر ہونے والے بیانات و معمولات

1. ہر مہینے میں ایک اتوار کو خواتین کے لیے شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ دن 9 سے 12 تک اصلاحی جوڑ ہوتا ہے۔ اس دفعہ خواتین کا جوڑ اتوار 07 اگست کو دن 9 سے 12 بجے تک ہوا۔ جوڑ کے عنوانات تھے 1) صحابہ کرام کے فضائل۔ 2) امہات المومنین کے فضائل۔ 3) اہل بیت کے فضائل۔

2. مہینے میں ایک بار ہفتہ عصر سے اتوار عصر تک خانقاہ امدادیہ جہانگیرہ (صوابی) میں اصلاحی جوڑ۔

3. ہر مہینے کے پہلے جمعہ کو راولپنڈی اسلام آباد میں کاکا خیل حضرات کے لیے مغرب تا عشاء جوڑ ہوتا ہے جس میں کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا کتاب "مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ" سے درس ہوتا ہے۔

ان شاء اللہ تعالی، 07 اکتوبر 2022ء کو زیارت کاکا صاحب میں، حضرت

کاکاصاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کے متعلق اجلاس ہو گا۔ جس میں عام لوگوں کے علاوہ تمام کاکاخیل حضرات کو خصوصی دعوت ہو گی۔ اور دربار مسجد میں حضرت شاہ صاحب مدظلہ کا جمعۃ المبارک کا بیان بھی ہو گا۔

4. ہر مہینے میں ایک دفعہ رفاہ یونیورسٹی میں ایک بیان ہوتا ہے جو آن لائن نشر بھی کیا جاتا ہے۔ اس دفعہ 2022-09-20 کو رفاہ یونیورسٹی بیان ہوا جس کا موضوع تھا۔ صبر اور شکر۔

نوٹ:

مری میں مرد حضرات کے لیے اصلاحی جوڑ 13 اگست بروز ہفتہ شام 3 بجے سے 14 اگست شام 3 بجے تک ہوا۔

بزرگوں کی تحریریں کیوں پڑھنی چاہئیں؟

بزرگوں کی تحریریں اُن کی زندگی کا نچوڑ ہوتی ہیں۔ ہم ہزاروں تجربات کرکے جس چیز تک نہیں پہنچ سکتے ان کی تحریروں سے ہم اُن چیزوں تک آناً فاناً پہنچ سکتے ہیں۔ اس وجہ سے بزرگوں کی ان تحریروں میں ریسرچ کرنا جس سے ہمارا یہ مقصد حاصل ہوتا ہو بہت مفید ہے۔ پھر ان میں مجددین حضرات کا رنگ بالکل الگ ہوتا ہے کیونکہ مجددین حضرات کی تحقیقات عمومی دین کے لئے ہوتی ہیں جو کہ اس وقت کے لوگوں کی سطح کے مطابق پیدا شدہ فروگزاشتوں کو دور کرکے دین کو اصلی صورت میں ظاہر کرتے ہیں۔

اگر صرف ایک آخری مجدد کی اتباع کی جائے تو وہ بھی کافی ہوتی ہے لیکن اگر چند متواتر مجددین کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے حالات کے مطابق مطلوبہ تبدیلی لانے کا فن آشکارہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد اگر کوئی تبدیلی آتی ہے تو اس کے لئے "by the process of extrapolation" حل ڈھونڈنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس کتاب میں ہم نے اپنے ان اکابر کے فیوضات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ قلب، عقل اور نفس کی اصلاح کے متعلق راہنمائی میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلبی اعمال بہت اونچے تھے جو کہ قلبی واردات والے حضرات کی راہنمائی کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے عقلی اعمال بہت زیادہ اونچے تھے۔ اس وجہ سے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات کا فائدہ اُن لوگوں کو زیادہ ہوتا ہے جن کی عقلیں بہت آگے کا سوچتی ہیں۔ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صفائی نفس کے اعمال بہت اعلیٰ تھے اس وجہ سے حضرت کی تعلیمات نفس کی صفائی کے کاموں میں مشعلِ راہ ہیں۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات آج کل کے منطقی موشگافیوں کے جوابات کے لئے ماحول بنانے اور صلاحیت پیدا کرنے کے لئے مفید ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اکابر کی تعلیمات سے پورا پورا مستفید ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

051 5470582 0332 5289274

sshabirkakakhel@gmail.com,
sshabir@tazkia.org

0315 5195788 حضرت شاہ صاحب مدظلہ کو سوالات بھیجنے کیلئے

www.tazkia.org